عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY
KHATM-E-NUBUWWAT
KARACHI PAKISTAN

جلد ۲۴ | ۲۶ شعبان تا ۴/ رمضان ۱۴۲۶ھ مطابق یکم تا ۸/ اکتوبر ۲۰۰۵ء | شمارہ: ۳۷

اعمالِ مغفرت

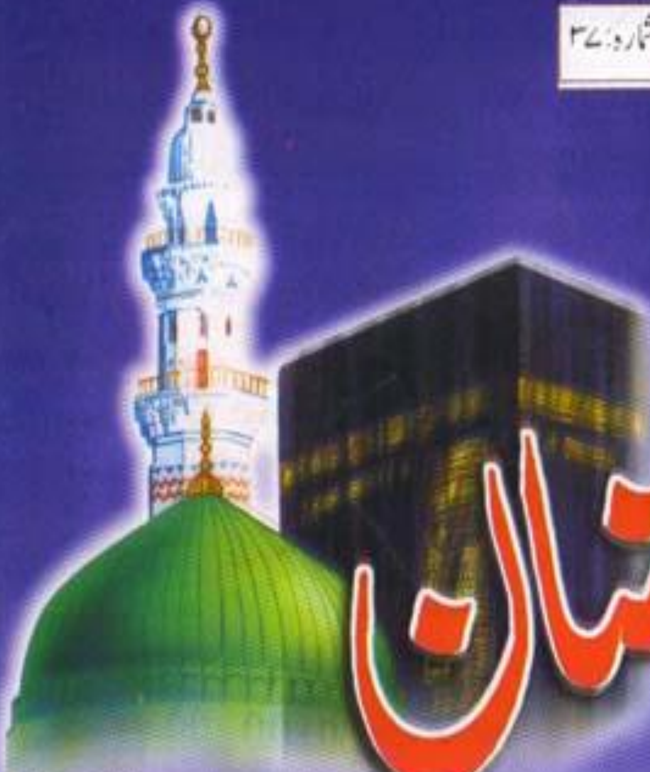

اِستقبالِ رمضان

مدارس اسلامیہ میں عصری تعلیم
مسائل و امکانات

بیوی کا مرتبہ
اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

خدمتِ خلق میں خواتین کا حصہ

تحریکِ آزادی میں علمائے کرام کا کردار

Website: http://www.khatme-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com
Email: editorkn@yahoo.com

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

آپ کے مسائل

رمضان المبارک کی افضل ترین عبادت:

س:..... رمضان المبارک میں سب سے افضل کون سی عبادت ہے؟

ج:..... رمضان المبارک میں روزہ تو فرض ہے جو اعمال رمضان میں سب سے افضل عمل ہے۔ اور چونکہ قرآن مجید کا نزول رمضان میں ہوا ہے اس لئے اس کی تلاوت سب سے اہم عبادت ہے اس کے علاوہ ذکر اللہ اور استغفار کی کثرت ہونی چاہئے۔ صلوٰۃ التسبیح اور نماز تہجد کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

رمضان المبارک کی مسنون عبادات:

س:..... ماہ صیام میں دن اور رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی عبادتیں ایسی ہیں جن پر ہم کو عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے؟

ج:..... تراویح، تلاوت کلام پاک، تہجد اور صدقہ و خیرات کے اہتمام کی ترغیب دی گئی ہے۔

رمضان المبارک میں سرکش شیاطین کا قید ہونا:

س:..... ماہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیاطین کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے اور سنا ہے کہ پھر وہ رمضان کے بعد ہی رہائی پاتے ہیں اور دنیا میں نازل ہوتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ مثلاً بعض ممالک میں بعض جگہ سے پہلے رمضان ختم ہو جاتا ہے (جیسے اکثر پاکستان سے پہلے عرب ممالک میں) تو کیا پھر وہاں کی سرحدیں شیاطین کے لئے پہلے کھول دی جاتی ہیں اور پاکستان میں شیاطین ان ممالک کے دو روز بعد داخل ہوتے ہیں، یا شیاطین چھوڑنے اور پابند کرنے کا کیا سسٹم ہے؟

ج:..... جہاں رمضان المبارک ہوگا وہاں سرکش شیاطین پابند سلاسل ہوں گے اور جہاں ختم ہو جائے گا وہاں پر سے یہ پابندی بھی ختم ہو جائے گی۔ اس میں اشکال کیا ہے؟

روزے کی نیت کب کرے؟

س:..... رمضان المبارک کے روزے کی نیت کس وقت کرنی چاہئے؟

ج:..... (۱) بہتر تو یہ ہے کہ رمضان المبارک کے روزے کی نیت صبح صادق سے پہلے پہلے کرلی جائے۔

(۲) اگر صبح صادق سے پہلے رمضان شریف کا روزہ رکھنے کا ارادہ نہیں تھا، صبح صادق کے بعد ارادہ ہوا کہ روزہ رکھ ہی لینا چاہئے تو اگر صبح صادق کے بعد کچھ کھایا پیا نہیں تو نیت صحیح ہے۔

(۳) اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے (یعنی نصف النہار شرعی سے پہلے) تک رمضان شریف کے روزے کی نیت کر سکتے ہیں۔

(۴) رمضان شریف کے روزے میں بس اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ آج میرا روزہ ہے، یا رات کو نیت کرے کہ کل صبح روزہ رکھنا ہے۔

روزہ رکھنے اور افطار کرنے کی دعائیں:

س:..... نفلی روزے کی نیت اور روزہ رکھنے اور افطار کی دعائیں کیا ہے؟

ج:..... نفل روزے کے لئے مطلق روزے کی نیت کافی ہے اور وہ یہ ہے:

"وبصوم غد نویت۔"

ترجمہ: "اور میں کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔"

اور افطار کی دعا یہ ہے:

"اللّٰھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت۔"

ترجمہ: "اے اللہ! میں نے آپ کے لئے روزہ رکھا اور آپ کے رزق پر افطار کیا۔"

اور روزہ رمضان کی نیت میں یوں کہے:

"وبصوم غد نویت من شھر رمضان۔"

ترجمہ: "اور میں کل کے رمضان کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔"

ہفت روزہ ختم نبوۃ

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا سید نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم

جلد ۲۴ شمارہ ۳۷ ۲۶/شعبان تا ۲/رمضان ۱۴۲۶ھ مطابق یکم تا ۷/اکتوبر ۲۰۰۵ء

مولانا عزیز الرحمن جالندھری

مولانا محمد اکرم طوفانی

مولانا اللہ وسایا

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ
حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد الرحیم اشعرؒ

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر
مولانا بشیر احمد
صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
علامہ احمد میاں حمادی
مولانا سعید احمد جلالپوری
صاحبزادہ طارق محمود
مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مولانا مفتی محمد راشد مدنی
سرکولیشن منیجر: محمد انور راٹھور
ناظم حسابات: جمال عبد الناصر
قانونی مشیر: منظور احمد میو ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ
ٹائٹل کمپوزنگ: محمد ارشد محترم
محمد فیصل عرفان

شمارے میں

رمضان المبارک میں قافلہ ختم نبوت سے بھرپور تعاون	(اداریہ)	4
استقبال رمضان	(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)	6
مدارس اسلامیہ میں عصری تعلیم مسائل و امکانات	(مولانا محمد جسیم الدین)	8
اعمال مغفرت	(جناب محمد ارشد صاحب)	14
بیوی کا مرتبہ اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں	(مولانا عبد الماجد دریا آبادی)	18
تحریک آزادی میں علمائے کرام کا کردار	(ابو عمار نظام الدین)	20
خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ	(مجیب اللہ ندوی)	23
دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟	(مولانا حبیب الرحمن قاسمی)	25

زر تعاون بیرون ممالک: امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۱۰۰ ڈالر۔
یورپ، افریقہ: [illegible] ۸۰ ڈالر

زر تعاون اندرون ملک: فی شمارہ: ۷ روپے۔ ششماہی: ۱۵۰ روپے۔ سالانہ: ۳۰۰ روپے
بینک ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت۔ اکاؤنٹ نمبر 363-8/ اکاؤنٹ نمبر 1927-2 [illegible] کراچی پاکستان ارسال کریں

جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
[illegible]
Jama Masjid Bab-un-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A. Jinnah Road, Karachi.
Ph: [illegible] Fax: [illegible]

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: [illegible] فیکس: [illegible]
Hazori Bagh Road, Multan.
Ph: 580486-514122 Fax: 542277

لندن آفس:
35, Stockwell Green,
London, SW9 9HZ U.K.
Ph: 0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری طابع: سید شاہد حسن مطبع: القادر پرنٹنگ پریس مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک میں قافلۂ ختم نبوت سے تعاون

نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اگر کوئی شخص آکر یہ دعویٰ کرے کہ وہ نبی ہے تو وہ جھوٹا ہے تم اس کو مسترد کردو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں مسیلمہ کذاب اسود عنسی وغیرہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اسود عنسی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک صحابی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں مردار ہوا جس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امین علیہ السلام کے ذریعہ دی گئی۔ مسیلمہ کذاب اور سجاح نے نکاح کر کے نبوت میں اشتراک کرلیا اور مہر میں دو نمازیں معاف کردیں۔ خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف ایک عظیم الشان لشکر ترتیب دیا جس میں بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین اور قرأ عظام شریک ہوئے۔ مسیلمہ کذاب اپنے تیس ہزار لشکر سمیت جہنم رسید ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے بارہ سو کے لگ بھگ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا جن میں سات سو حفاظ اور قرأ کرام شامل تھے۔ تمام غزوات میں اتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شہید نہیں ہوئے جتنے صرف ایک لڑائی میں شہید ہوئے بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے امت کو آگاہ کردیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ ائمہ تلبیس کے مطابق آج تک ۲۷ کے قریب ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے کسی نہ کسی درجے میں جھوٹا دعویٰ نبوت کیا۔ ان میں سے اکثر کو امت کے غیور مسلمانوں نے جہنم رسید کردیا۔ گزشتہ صدی کے اواخر میں انگریزی دور حکومت میں مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے انگریزوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی سرپرستی کی پہلے اسے مسلمانوں میں مبلغ اور مناظر کی حیثیت سے متعارف کرایا اور پھر اس کے ذریعے عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ آخرکار اس نے مہدی، مجدد، مسیح موعود ظلی وبروزی نبی اور پھر نبی اور پھر معاذ اللہ نبی سے بڑھ کر محمد ﷺ ہونے کا دعویٰ کیا۔ علماء لدھیانہ نے ابتدا ہی میں اس کے غلط عقائد کی وجہ سے اس کے کفر کا فتویٰ جاری کیا، پھر دارالعلوم دیوبند سے یہی فتویٰ صادر ہوا لیکن انگریزوں کی سرپرستی کی وجہ سے یہ فتنہ بڑھتا ہی رہا۔ اس بنا پر محدث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام علماء کرام کو جمع کیا اور قادیانیت کے مکر وفریب اور امت کے لئے اس کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ بعد ازاں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کام کا ذمہ دار بنایا اور امیر شریعت کا خطاب دیا۔ پانچ سو سے زائد علماء کرام نے امیر شریعتؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس بات کا عزم کیا کہ وہ اپنی زندگیوں کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وقف کردیں گے۔ اس طرح محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے قافلۂ ختم نبوت تشکیل دیا۔ اس قافلہ نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں کام شروع کیا تو مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کو بریک لگ گئی۔ ایک ایک گاؤں، ایک ایک قریہ، ایک ایک شہر میں قافلۂ ختم نبوت نے تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں تو انگریز حکومت اور مرزا قادیانی کی ذریت غنڈہ گردی پر اتر آئے۔ پہلے قادیان میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کیا گیا، پھر جہاں جہاں قادیانی اثر ورسوخ رکھتے تھے وہاں مسلمانوں کا جینا دوبھر کردیا گیا۔ قافلۂ ختم نبوت کے رہنماؤں، رضاکاروں اور جاں نثاروں پر قید وبند کے دروازے کھل گئے۔ مرزا قادیانی کو جھوٹا مدعی نبوت کہنا جرم بن گیا۔ مسلمانوں پر قاتلانہ حملے معمول بن گئے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہ شیر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فداکار جان پر کھیل گئے لیکن عقیدہ ختم نبوت پر زد نہیں پڑنے دی۔ بہاولپور میں مقدمہ درج ہوا تو اس کی پیروی کی اور مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کو کافر ثابت کیا۔ قادیان میں داخلہ بند ہوا تو قادیان کے باہر ساری رات امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدہ ختم نبوت کی وضاحت کی اور فتنہ قادیانیت سے آگاہ کیا۔ قادیان میں دفتر کھولا،

جسے کئی دفعہ توڑا گیا' مبلغ کو زدوکوب کیا گیا۔ مولانا محمد حیات نے جان ہتھیلی پر رکھ کر قادیان میں سکونت اختیار کی۔ الغرض مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا' امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ زندگی نصف جیل میں اور نصف ریل میں گزر گئی۔ تحریک پاکستان میں قادیانیوں نے تحریک آزادی کے خلاف کام کیا' قیام پاکستان کی مخالفت کی' مسلمانوں کی فہرست سے الگ اپنا نام درج کرایا جس کی وجہ سے کشمیر کا الحاق پاکستان سے نہ ہو سکا۔ اس کے باوجود پاکستان بننے کے بعد انگریزوں کی سرپرستی کی وجہ سے وہ پاکستان کے ٹھیکیدار بن گئے۔ سر ظفر اللہ قادیانی پہلا وزیر خارجہ مقرر ہوا' چناب نگر سابقہ ربوہ کی زمین حاصل کر کے قادیانیوں نے اپنا مرکز قادیان سے یہاں منتقل کر دیا' پاکستان میں قادیانیت کے خلاف تبلیغ پر پابندی عائد ہو گئی' قادیانیوں نے پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کی کوشش کی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی تحریک شروع کی۔ لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ کئی ہزار جاں نثاران ختم نبوت نے جان کا نذرانہ پیش کیا' ایک لاکھ کے قریب علماء کرام' رضا کاران ختم نبوت نے جیلوں کی ہوا کھائی۔ تحریک کے نتیجے میں پاکستان قادیانی اسٹیٹ بننے سے بچ گیا۔ قافلہ ختم نبوت نے اپنا کام جاری رکھا' مولانا محمد علی جالندھری' مولانا محمد حیات' مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی' مولانا محمد شریف جالندھری رحمہم اللہ اور سینکڑوں مبلغین ختم نبوت گاؤں گاؤں' قریہ قریہ پھیل گئے' مسلمانوں کے ایک ایک پیسہ کی امداد سے کام جاری رکھا۔ تاآنکہ ۱۹۷۴ء میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ مولانا شاہ احمد نورانی' مولانا معین الدین لکھوی' اور دیگر علماء کرام نے تمام سیاسی جماعتوں کو جمع کیا۔ پوری قوم متحد ہوئی اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانان پاکستان کو نصرت عطا فرمائی اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ ۱۹۸۴ء کو قادیانیوں نے آئین کی خلاف ورزی شروع کی۔ حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم' حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں تحریک چلی' مولانا محمد شریف جالندھریؒ نے ایک ایک کی منت کی' آخر کار صدر ضیاء الحق مرحوم نے امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری کیا۔ مرزا طاہر راتوں رات فرار ہو کر اپنے آقاؤں کے چرنوں میں لندن جا پہنچا' اور دوبارہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش شروع کی' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے وہاں بھی تعاقب شروع کیا۔ مالی' گھانا میں قادیانی پہنچے تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے وہاں ان کا پیچھا کیا جس کے نتیجے میں ہزاروں افراد قادیانیت سے تائب ہوئے' جنوبی افریقہ میں قادیانیوں کے حوالے سے مقدمہ درج ہوا تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت عقیدۂ ختم نبوت کی حقانیت کو اجاگر کرنے کے لئے وہاں بھی پہنچ گئی۔ غرض دنیا میں جہاں کہیں بھی قادیانیوں نے اپنے پنجے جمانے کی کوشش کی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اس کی تردید کا فریضہ انجام دیا' بقول کسے اگر قادیانی خدانخواستہ چاند پر بھی پہنچ جائیں تو ہم ان کا پیچھا وہاں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس وقت عیسائیت' یہودیت' قادیانیت سب اسلام دشمنی میں تیزی سے مصروف عمل ہیں۔ مسلمان ممالک میں مغرب نے قادیانیوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے بلکہ ان کی سرپرستی کی جا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو ختم کیا جا سکے۔ اسکولوں' رفاہی اداروں' اسپتالوں' سڑکوں کے ذریعے غریب ممالک میں لوگوں کو اسلام کے نام پر قادیانی بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ پاکستان کے علماء کرام اور پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے قادیانی اور سب لادینی قوتیں متحد ہو گئی ہیں۔ گیمبیا میں گزشتہ دنوں قادیانیوں نے شرارت کر کے اس کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ قادیانی چاہتے ہیں کہ دنیا کے ایک ارب بیس کروڑ مسلمان خدانخواستہ مرتد اور گمراہ ہو جائیں' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی حیثیت نعوذ باللہ ختم ہو جائے' ایسے وقت میں مسلمانوں پر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اگر آپ قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کی شفاعت چاہتے ہیں تو آیئے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی محافظین میں شامل ہو جایئے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب زید مجدہم' نائب امیر مرکزیہ حضرت سید نفیس شاہ الحسینی دامت برکاتہم' ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری' ناظم تبلیغ حضرت مولانا اللہ وسایا' حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر (مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن) اور دیگر تمام علماء کرام کی جانب سے تمام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ وہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں شامل ہو جائیں اور اس جماعت سے ہر قسم کا تعاون کریں' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سالانہ اخراجات کا تخمینہ کروڑوں روپے سے متجاوز ہے اور یہ مسلمانوں کے عطیات سے پورا ہوتا ہے۔ آگے بڑھئے اور زیادہ سے زیادہ اس میں اپنا حصہ ڈالئے' اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ (آمین)

استقبالِ رمضان

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

میرے دوستو! تمہیں نیا رمضان مبارک اور خدا کی طرف سے تم پر پاک و بابرکت سلام! تمہاری یہ فرمائش گویا میری دلی خواہش ہے' پتہ نہیں کیوں خود میرا جی کچھ بات کرنے کو چاہ رہا تھا اور ایک تقاضا تھا جو مجھے بات کرنے پر مجبور کر رہا تھا اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے تجویز کردہ عنوان سے بہتر اور محبوب عنوان گفتگو میرے لئے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

سن ہجری کے دوسرے سال میں میرا آنا پہلے سالوں سے یکسر مختلف تھا' پہلے میں سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ تھا' اپنے دوسرے بھائیوں اور رفیقوں سے کسی قسم کا امتیاز مجھے حاصل نہیں تھا' نہ کوئی خاص بات میرے اندر تھی' نہ کسی پیغام کا میں حامل تھا اور نہ دینی ارکان میں سے کوئی رکن مجھ سے متعلق تھا' رجب' ذی القعدہ' ذوالحجہ اور محرم پر مجھے حسد...... استغفراللہ...... رشک ہوتا تھا کیونکہ یہ: اشھر حرم (محترم مہینے) تھے اور اس میں سے ذی الحجہ پر مجھے اور خاص وجہ سے رشک آتا تھا' وہ یہ کہ وہ حج کا مہینہ تھا...... مجھے وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے کبھی اتنا بڑا اعزاز بخشا جائے گا اور روزہ جیسے اہم اور مقدس پیغام کا مجھے حامل بنایا جائے گا' لیکن یہ اللہ کا فضل ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے' بہرحال اب سنیئے:

مسلمانوں نے شعبان سے میرا انتظار کرنا شروع کیا' انہوں نے شعبان کا بھی ایک مقدمۃ الجیش اور میرے مبشر کی حیثیت سے استقبال کیا' شعبان ہی میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! رمضان کا مہینہ تم پر سایہ فگن ہو رہا ہے۔ بڑا عظیم الشان مہینہ ہے اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ نے اس مہینے کے روزے فرض کئے ہیں اور رات کے قیام (تراویح) کو نفلی عبادت ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اس ماہ میں ایک نفل نیکی کرے گا' اس کا ثواب اور دنوں کے فرض کے برابر ہوگا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا اس کا ثواب اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ہوگا۔ یہ ماہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے' یہ غمخواری و غمگساری کا مہینہ ہے' اس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔"

تمام لوگ میرا چاند دیکھنے کے لئے بلند ٹیلوں اور مکانوں پر چڑھ گئے' غروب آفتاب کے بعد مدینہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا جو آسمان کی طرف نظر اٹھائے میری جستجو نہ کر رہا ہو' ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہ میری آمد کا مژدہ سنائے۔

پروردگار عالم نے ارادہ فرمایا کہ اب مزید تاخیر نہ ہو' لہٰذا اس کی طرف سے حکم طلوع ہوا اور مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی' لوگوں کی زبانوں پر ایک نعرۂ مسرت جاری ہوا۔

سامعین کرام! مجھے اس کہنے میں معاف رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو میری آمد سے جو مسرت ہوئی تھی...... حالانکہ میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے صبر و جہاد کا مہینہ تھا...... وہ اس مسرت سے بڑھ کر ہوتی تھی جو آج آپ کو عید کا چاند دیکھ کر ہوتی ہے...... میں اس کے اسباب میں نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ ایک طویل بات ہے' اور ویسے بھی آپ کو کڑوی لگے گی۔

(میری آمد سے) مدینے کے لوگوں میں ایک نئی زندگی اور ایک نیا نشاط عبادت ابھر آیا' یہ لوگ عشاء کے بعد ایک ایک' دو دو اور ٹکڑیاں ٹکڑیاں ہو کر نوافل میں مشغول ہو گئے قرآن کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے رہتے' یہاں تک کہ جب رات آخر ہوئی اور سحر قریب ہوئی تو رات کی باسی روٹی یا کھجور اور پانی میں سے جس کو جو میسر آیا' اس نے اس سے سحری کھائی' پھر مساجد کی راہ لی اور نماز فجر ادا کی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں وہ لوگ آج کل کے روزہ داروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں' آج اگر آپ

میں سے کوئی رات کو تھوڑی دیر عبادت کر لیتا ہے اور پھر روزہ کی نیت کر لیتا ہے تو وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ دن میں جتنا چاہے سوئے چنانچہ آج شہر میں بہت کم ایسے روزہ دار ملیں گے جو سوتے یا اونگھتے نظر نہ آتے ہوں' رات کو خواہ کتنا ہی تھوڑا قیام کریں مگر اس کے بدلے میں دن کا ایک خاصا حصہ ضرور نیند کی نذر کر دیا جاتا ہے...... اس کے برعکس صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا حال یہ تھا کہ رات کا قیام ان کے دن کے نشاط میں کوئی فرق نہیں ڈالتا تھا' وہ رمضان میں عبادت بھی کرتے تھے اور مشقت حیات بھی برداشت کرتے تھے اور کبھی تو روزے کی حالت میں جہاد بھی کرتے تھے' ان کے زمانہ میں رمضان اشیاء کی طبائع نہیں بدلتا تھا اور نہ دن کو رات بناتا تھا' وہ الٹے ان میں قوت اور نشاط کار بڑھا دیتا تھا اور کوئی وہ نیکی جس کو لوگ پہلے سے کرتے تھے' رمضان المبارک کی آمد سے منقطع نہیں ہوتی تھی' میں آ کر اہل مدینہ کے اخلاق میں کوئی فرق نہیں پاتا' مثلاً انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد سے غیبت' فحش کلامی اور بدگوئی سے زندگی بھر کا روزہ رکھ لیا تھا' تو وہ روزوں میں بھی پاک زبان' پاک نفس اور پاک باطن رہتے تھے' ہاں اگر فرق ہوتا تھا تو یہ ہوتا تھا کہ وہ ان دنوں میں جائز غصہ کو بھی ضبط کرتے تھے۔ اگر ان میں سے کسی کو کوئی شخص گالی دیتا یا لڑنے کی باتیں کرتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ:

"میں روزہ دار ہوں۔"

میری آمد پر وہ لوگ نیکی اور غمخواری کے بے حد حریص ہو گئے' یوں سمجھئے کہ ہوا سے مقابلہ کرتے تھے' ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تھا:

"جب رمضان آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امور خیر میں آندھی سے بھی تیز رفتار ہو جاتے تھے۔"

روزہ دار کو افطار کرانے' غلاموں کو آزاد کرانے' ستم رسیدوں کی امداد کرنے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے' چنانچہ اسی وجہ سے فقراء و مساکین میری آمد کے منتظر رہتے تھے۔

لوگوں نے اپنے مشاغل میں روزہ گزارا' لیکن اللہ سے غافل نہیں ہوئے اور نہ بیع و تجارت نے ان کو اللہ کی یاد اور جماعتوں کی حاضری سے غافل کیا' شام کو گھر لوٹے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ مساجد کا حال اس وقت یہ ہو جاتا تھا کہ اگر تم جاؤ تو ذکر کی بھنبھناہٹ کے سوا کوئی آواز نہ سن پاؤ۔

آفتاب غروب ہوا' مؤذن نے اذان دی اور میں نے دیکھا کہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوہارے اور کچھ پانی سے افطار فرمایا اور پھر اس پر اتنا شکر کہ انواع و اقسام کی افطاریوں پر بھی لوگوں کو یہ مقام شکر نصیب نہیں ہو سکتا۔ سنئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

"تشنگی دور ہوئی' رگیں تر ہوئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر واجب ہو گیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بھی اسی طرح چند کھجوروں اور پانی کے چند گھونٹوں سے روزہ کھولا اور اللہ کی حمد کی' پھر نماز پڑھی اور جو کچھ اللہ نے عنایت فرمایا صرف بقدر ضرورت کھا لیا' نہ اس میں اسراف ہوتا تھا اور نہ ناک تک پیٹ بھرتا تھا۔

مہینہ بھر ان کا یہی معمول رہتا تھا' نہ اس میں کوئی فرق آتا اور نہ وہ اس سے اکتاتے اور برداشتہ خاطر ہوتے' بلکہ ہر دن نشاط کی ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی اور عبادت و نیکی کی حرص بڑھتی تھی' گویا روزوں سے ان کی روح کو غذا ملتی تھی' اور مہینے کے آخر میں ان کی قوت اور نشاط پہلے سے بھی بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مسلسل نشاط اور ذوق عمل سے مخمور رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آخری عشرہ آتا تو بالکل ہی کمر کس لیتے تھے' رات عبادت میں گزارتے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے اور پھر اعتکاف فرما لیتے تھے۔

میں جب اس دور سعادت کے روزہ داروں کا بعد کے روزہ داروں سے مقابلہ کرتا ہوں تو صورت و شکل میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا بلکہ بعض بعد والے زیادہ نفل پڑھتے اور زیادہ وقت تلاوت کرتے نظر آتے ہیں' مگر خشوع و اخلاص اور ایمان و احتساب کی کیفیات میں کھلا فرق محسوس کرتا ہوں' اگر سابقین کی ایک رکعت کا وزن کیا جائے تو بعد والوں کی بہت سی رکعتوں پر بھاری نکلے گی کہ وہ اپنے ایمان و احتساب میں بھاری تھے۔

اور دوسرا فرق جو میں بتلا سکتا ہوں' وہ یہ ہے کہ ان پر روزہ اپنے گہرے اخلاقی اور نفسیاتی اثرات چھوڑ کر جاتا تھا' یوں کہئے کہ ان کی طبیعتوں پر روزہ کی ایک نہ مٹنے والی چھاپ پڑ جاتی تھی اور اگلے سال جب میں پھر لوٹ کر آتا تو ان میں وہی عفت' وہی تقویٰ' وہی صدق و امانت' وہی رقت' وہی کریم النفسی' وہی حرص طاعت' وہی لذات نفس سے نفرت' وہی آخرت کی فکر اور وہی دنیا سے بے رغبتی پاتا۔ الغرض ہر دوسری مرتبہ وہ مجھے پہلے سے زیادہ پاک باطن اور صاف دل ملتے تھے۔

قصہ مختصر! جب میرا وقت ختم ہو گیا اور روانگی کا دن آیا تو انہوں نے مجھے ایک بہت ہی پیارے دوست کی طرح رخصت کیا' آنسو کسی طرح تھمتے نہ تھے اور آہیں قرار پاتی نہ تھیں' لبوں پر یہ دعا تھی کہ خدایا یہ ملاقات آخری نہ ہو' یہ دن اس کے بعد بھی بار بار آئیں۔ یہ ہے خیر القرون میں میرے استقبال کی ایک ہلکی سی تصویر۔

☆☆......☆☆

مدارس اسلامیہ میں عصری تعلیم

مسائل وامکانات

مولانا محمد جسیم الدین

حرفِ اوّل:

ہندوستان کی دو تاریخیں ہیں: ایک اس وقت کی جب مسلمانوں کی اپنی حکومت تھی اور دوسری تاریخ انگریزوں کے جارحانہ قبضہ اور وطن کی آزادی کے بعد سے آج تک چل رہی ہے۔ اسی طرح اسپین و اندلس اور سوویت یونین کی نو آزاد مسلم ریاستوں کی بھی دو تاریخیں ہیں: اسپین اور ازبکستان ریاستوں کے بڑے بڑے علماء وصوفیاء اور عظیم مورخ پیدا ہوئے پھر ایک دور ایسا آیا کہ وہاں اسلام کا نام لینا بھی مشکل ہوگیا' مساجد مسمار کردی گئیں' مدارس اجاڑ دیے گئے اسلامی تہذیب ومعاشرہ کو تباہ وبرباد کردیا گیا۔

لیکن ہندوستان کی تاریخ ان ممالک کی تاریخ سے مختلف ہے' الحمدللہ! یہاں مسلمانوں کے حالات ابھی تک بہت بہتر ہیں' اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسپین وغیرہ کے مسلمان اپنی شان وشوکت کے زوال کے بعد' رضا کارانہ طور پر دین کی خدمت کے لئے کمربستہ نہیں ہوئے' برخلاف علماء ہند کے کہ وہ ہر طرح کے خطروں سے بے نیاز ہوکر دیوانہ وار علوم دینیہ کی خدمت ترویج واشاعت میں مصروف ہوگئے اور آج تک مصروف ہیں۔

مدارس دینیہ کا نصب العین:

مدارس دینیہ کے اس تاریخی پس منظر سے' ان کے اغراض ومقاصد کی بھی نشاندہی ہوجاتی ہے' یعنی دینی تعلیم کا تحفظ' کتاب وسنت کی ترویج واشاعت اور مسلم معاشرہ کی اصلاح وحفاظت کے لئے علم وعرفان کی چھاؤنیاں اس غرض سے قائم کی گئی ہیں کہ ان سے دین کے سچے ومخلص خادم اور اسلام کے جاں باز و جرأت مند سپاہی تیار کیے جائیں جو اسلامی عقائد و شعائر اور دینی' اخلاقی واقدار کے داعی ونقیب بنیں اور باطل طاقتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کریں' اسی لئے ان مدارس کا نظام تعلیم وتربیت امام الہند کی تحریک دعوت واصلاح کی بنیادوں پر قائم کیا گیا اور نصاب تعلیم خالص دینی رکھا گیا' ان کا مقصد تاسیس نصب العین اور مطمح نظر صرف اور صرف دین ہے۔ (نظام تعلیم وتربیت ازمولانا مناظر احسن گیلانیؒ)

درسِ نظامی کا پس منظر:

دینی مدارس میں پڑھایا جانے والا نصاب "درس نظامی" سے معروف ومشہور ہے یہ بارھویں صدی ہجری کے مشہور و مایہ ناز عالم ملا نظام الدینؒ (فرنگی محل) کے والد ماجد ملا قطب الدین سہالویؒ کا مرتب کردہ ہے اور انہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے "درسِ نظامی" کہا جاتا ہے۔ (دینی مدارس ازابن الحسن عباسی)

یہ نصاب تعلیم اپنی اہم خصوصیات کے پیش نظر ۱۸۳۵ء تک ہندوستان کے تقریباً تمام تعلیمی اداروں میں رائج تھا۔ (آئینہ دارالعلوم اجتماع مدارس نمبر) اور آج بھی معمولی تبدیلی کے بعد یہ نصاب تعلیم وہندو بیرون ہند میں پھیلے ہوئے مدارس میں جاری ہے۔

درسِ نظامی کی خصوصیات:

اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علموں میں امعانِ نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا اس میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو تو گرچہ مابعد ختم تعلیم کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہوجاتا' لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہوجاتی ہے کہ آئندہ محض اپنی محنت سے جس فن میں چاہے اچھی طرح کمال پیدا کرلے' تحقیق کی قید اس لئے لگائی گئی کہ موجودہ طرز تعلیم بالکل ناقص ہے' ملا نظام الدین رحمہ اللہ کا طریقہ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیات کا چنداں لحاظ نہیں کرتے تھے' بلکہ کتاب کو محض ذریعہ تعلیم قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے' اسی طرز تعلیم کا نتیجہ ملا کمال الدین' بحرالعلوم اور حمداللہ جیسے جید علماء تھے۔ (الجمعیۃ دینی مدارس نمبر)

ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد درسِ نظامیہ کے آدمی تھے' ان کے پیش رو تمام وزرائے تعلیم کا کہنا ہے کہ موصوف کے دور میں ہندوستان نے تعلیم اور سائنس میں غیر معمولی ترقی کی' درسِ نظامیہ ہی سے ہم کو شہد کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے' غرض اس نصاب تعلیم میں ایسا توازن ملحوظ رکھا گیا کہ سابقہ غلطیوں کا تدارک ہوگیا اور تعلیم اسلامی سانچے میں ڈھل گئی' اسی توازن واعتدال کا نتیجہ ہے کہ ماضی کی

تعلیمی روایات کو بھی بالکل قطع نظر نہیں کیا گیا ہے' بلکہ ان کی مفید خصوصیات اخذ کر لی گئیں' ہماری کوتاہی ہے کہ ہم درسِ نظامیہ اکتسابِ فیض کے لئے نہیں پڑھتے یا پڑھاتے' بلکہ خانہ پوری کے لئے پڑھتے پڑھاتے ہیں ورنہ درسِ نظامی میں کیا نہیں ہے۔

جدید نصابِ تعلیم اور درسِ نظامی:

۱۸۳۵ء کے بعد انگریزوں نے ایک جدید نصابِ تعلیم مرتب کرکے برصغیر کے مختلف تعلیمی اداروں میں اس کے نفاذ کا پروگرام بنایا' جس کا سرخیل "لارڈ میکالے" تھا' اس حکمتِ عملی کے پس پردہ کیا عزائم کارفرما تھے' انہیں فاش کرنے اور پالیسی کی اصل حقیقت تک رسائی کے لئے ہمیں اور پیچھے لوٹنا پڑے گا' یعنی ۱۸۳۴ء کی اس کمیٹی کی روداد کا جائزہ لینا ہوگا جو ہندوستانی طلبہ کو مشرقی زبان میں تعلیم دی جائے..... یا انگریزی زبان میں' یہ طے کرنے کے لئے تشکیل دی گئی تھی' اس کمیٹی کا اجلاس ۷/ مارچ ۱۸۳۵ء کو "لارڈ میکالے" کی صدارت میں ہوا' جس میں صدرِ اجلاس "لارڈ میکالے" کے ترجیحی ووٹ پر انگریزی زبان میں تعلیم کا فیصلہ ہوا۔ (ہندوستان کے اسلامی عربی مدارس کا متحدہ نظام صفحہ ۳۸)

لارڈ میکالے کے مرتبہ نصاب کا مقصد:

"میکالے" کے مرتبہ نصاب کے پس پردہ کیا حقائق مخفی تھے' ان پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد طفیل علیگ مرحوم لکھتے ہیں:

"اس فیصلے کی تعریف میں بڑے بڑے راگ الاپے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ "لارڈ میکالے" نے اس کے ذریعے ہندوستان کو آزادی کا فرمان عطا کیا' مگر جو امور اس رائے کے محرک تھے' ان میں سے ایک اعلانیہ اور دوسرا خفیہ تھا' اعلانیہ رائے تو وہ تھی جو انہوں نے اپنی رپورٹ میں ان الفاظ میں دہرائی تھی: "ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے کہ خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو' مگر مذاق اور رائے وفکر کے اعتبار سے انگریز ہو۔" (روشن مستقبل از سید مولوی طفیل علیگ منگلوری)

"لارڈ میکالے" کی حقیقی رائے جو ان کے قلب کے اندرونی پردوں کے اندر چھپی ہوئی تھی وہ تھی' جو انہوں نے اپنے والد کو ایک چٹھی میں لکھ کر بھیجی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اس (انگریزی) تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے' کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے' کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا' بعض لوگ مصلحت کے طور پر ہندو رہتے ہیں' مگر بہت سے یا تو موحد ہوجاتے ہیں یا پھر مذہب عیسوی اختیار کرلیتے ہیں' میرا عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجاویز پر عملدرآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بھی بت پرست باقی نہ رہے گا۔" (اسلام اور عصر جدید' عربی مدارس کا متحدہ نظام)

چنانچہ اس پالیسی کے تحت مسلمانوں کی تعلیم پر بھی خاص توجہ دی جانے لگی' مسلمان طلبہ کے لئے وظائف مقرر کئے گئے اور تمام صوبوں میں ابتدائی تعلیم سے لے کر یونیورسٹیوں تک مسلمانوں کے لئے مراعات ووظائف کا انتظام کیا گیا۔

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا:

مذکورہ سطروں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں پر جدید تعلیم کی ترویج کا مقصد ومنشاء کیا تھا؟ اس موقع پر اس تعلیم کی نوعیت کا واضح ہونا ضروری ہے' جس کے لئے مسلمانوں پر وظائف ومراعات کے دروازے کھول دیئے گئے تھے' "سر ولیم ہنٹر" کی ایک تحریر سے یہ امر بھی اچھی طرح حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے' اس طویل تحریر کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمایئے:

"موجودہ خالص عربی شعبہ کو انگریزی اور عربی کا شعبہ کردیا جائے' تاکہ گورنمنٹ اسکول کا پاس شدہ لڑکا' کالج کی اعلیٰ تعلیم سے مستفید ہوسکے' یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ شرع محمدی کی باضابطہ تعلیم دی جائے جو سب پر لازم ہو' یقیناً شرع محمدی کو تعلم کا مقصد نہ بنانا چاہئے' کیونکہ شرع محمدی سے مراد مسلمانوں کا مذہب ہے۔" (عربی مدارس کا متحدہ نظام' میکالے کا نظریہ تعلیم)

"سر ولیم ہنٹر" کی اس تحریر سے صاف عیاں ہے کہ جدید طریقہ تعلیم دین ومذہب سے بیگانہ بنانے کی خفیہ سازش زہر ہلاہل تھی' جسے قند کی شکل میں پیش کیا گیا' ورنہ شرع محمدی سے گریز کیوں ہوتا جو اپنے جلو میں ہمہ گیر ہمہ جہت جامعیت رکھتی ہے۔

لارڈ میکالے کا پلان اور مدارس کا کردار:

جب عصری علوم کے جدید نظام تعلیم نے اسلامی علوم کی آبیاری کرنے والے نصاب کو فرسودہ قرار دے کر تعلیمی اداروں سے رخصت کیا' تب علماء کو فکر ہوئی اور وہ دینی مدارس کے نام سے تعلیمی ادارے قائم کرنے لگے' جن میں درسِ نظامیہ کی تعلیم دی جانے لگی۔

۱۸۶۶ء میں دیوبند میں قائم ہونے والا "دارالعلوم" اسی سلسلے کا درخشاں مطلع ہے۔ (ایک عالمی تاریخ از مولانا عثمان معروفیؒ) جس نے مسلمانوں میں احیائے دین کا ایک تازہ جذبہ پیدا کیا'

اجماع سنت، اسلاف کے ساتھ محبت اور ان پر اعتماد کا تخم ان کے سینوں میں بویا اور اسلام کے تہذیبی ورثے کی حفاظت کا شعور بیدار کیا، دارالعلوم دیوبند اور اس نہج پر قائم ہونے والے دیگر ادارے صرف علم ہی نہیں، عمل کی درس گاہیں بھی ہیں، یہاں سے نکلنے والے کے ایک ہاتھ میں شمع علم اور دوسرے ہاتھ میں عمل کا پروانہ ہوتا ہے۔

اس طرح ان مدارس نے مسلم معاشرے میں نہ صرف "میکالے" کے نظام تعلیم کے سموئے ہوئے زہر کو تریاق کیا، بلکہ دلوں کو اسلام کا ایک تازہ جوش و امنگ دیا، ہند سے تا خاک بخارا و سمرقند انہی مدارس سے دین کے زمزمے بلند ہوئے، نور کے جلوے اٹھے، اسلامی تعلیمات کے چشمے ہر سو پھوٹے اور برصغیر ہی نہیں عالم اسلام کی بعض عہد ساز شخصیات پیدا ہوئیں اور علامہ اقبال مرحوم کا شعر پوری طرح ان اداروں پر صادق آیا:

اس دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

مدارس دینیہ اور عصری علوم:

دینی مدارس کا تاریخی پس منظر اور نصب العین کا مختصر جائزہ مظہر ہے کہ ان مدارس کے قیام کا اصل مقصد اسلامی معاشرے کی دینی ضروریات کی تکمیل ہے، ان کا قیام اس لئے عمل میں نہیں آیا کہ یہ سماج و سوسائٹی کو سائنس داں، ڈاکٹرز اور انجینئرز وغیرہ فراہم کریں۔

عصر حاضر میں مدارس اسلامیہ کے ارباب حل وعقد سے بعض دانشوران یہ تجویز پیش کر رہے ہیں کہ مدارس میں دینی و اصلاحی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی بھی تعلیم دی جائے اور ان کو دینی و عصری علوم کا آئینہ دار بنایا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی تجویز انہی لوگوں کی ہو سکتی ہے جو مدارس اسلامیہ کے نصب العین اور اغراض و مقاصد سے ناواقف ہیں، حصول علم کا مقصد تہذیب نفس ہے، لیکن یہ بلند نصب العین آج عصری درس گاہوں سے ختم ہو چکا ہے، حصول علم جدید ایک معاشی ضرورت بن کر رہ گیا ہے، لیکن مدارس نے علم کی عظمت و رفعت کو برقرار رکھا ہے، اسے محض معاشی ضرورت کا رنگ دینے سے بچایا ہے، دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں یہ بات خاص طور سے ملحوظ رکھی گئی ہے کہ پڑھنے والوں میں اخلاق فاضلہ، مذہبی شعور، ذہنی بیداری، انسانیت کی ہمدردی و احترام اور ایثار و قربانی کے جذبات بیدار ہوں، نہ یہ کہ ان میں تجارتی ذہن، تاجرانہ فکر اور مادیت کی خرابیاں جنم لیں، آج کل یورپ و امریکا بلکہ پوری دنیا کی بڑی بڑی عصری درس گاہیں جو علم کے نام سے چل رہی ہیں، وہ دراصل تجارت کی منڈیاں ہیں جہاں تاجرانہ ذہن کی تخلیق ہوتی ہے اسی تاجرانہ ذہنیت کے پروردہ جب ملکی و عالمی اقتدار کی کرسیوں پر براجمان ہوتے ہیں تو صرف اپنا مفاد یا زیادہ سے زیادہ اپنے ملک و قوم کی منفعت کو پیش نظر رکھتے ہیں، پوری انسانیت کے احترام کی بات ان کے نعروں میں تو ہو سکتی ہے عمل میں کبھی بھی نہیں آ سکتی۔ (رپورٹ رابطہ مدارس عربیہ، ترجمان دارالعلوم دسمبر ۲۰۰۲ء)

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مسلم سماج کو عصری علوم اور ان کے ماہرین کی بالکل ضرورت نہیں؟ ایسا نہیں ہے، بلا شبہ ایسے ادارے ہونے چاہئیں جو ان بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کریں، جن کا تعلق ان کے حاصل کردہ علوم سے ہیں اور بحمد اللہ ملک میں ایسے ادارے بکثرت موجود ہیں جو ان ضرورتوں کی تکمیل میں سرگرم عمل ہیں، اس لئے دینی مدارس کے نصب العین اور بنیادی مقاصد کو یکسر نظر انداز کر کے انہیں عصری تعلیم و تدریس کا مطلب بنانا تحصیل حاصل ہے۔

البتہ اس سلسلے کی اتنی معلومات جو ایک انسان کی بنیادی ضرورت ہے، ان کے لئے مدرسہ ابتدائیہ کے نصاب میں رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے جسے مدارس کے پرائمری درجوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ (ماہنامہ دارالعلوم خصوصی اشاعت نومبر و دسمبر ۱۹۹۴ء)

مدارس کے نصاب کی خامی یا خوبی:

جہاں تک دینی مدارس کے نصاب کا تعلق ہے تو اس میں اس کے سوا کوئی خامی نہیں کہ سرکاری حلقوں میں اس نصاب کو شرف پذیرائی حاصل نہیں، یہ اپنی اپنی نظر ہے کہ اس کو خامی تصور کیا جائے یا خوبی؟ اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی یوسف لدھیانوی شہید فرماتے ہیں:

"ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ جو نصاب تعلیم سرکاری تعلیم گاہوں میں نافذ ہے جہاں کا جہاں اس سے استفادہ کر کے اپنی دنیا بنا رہا ہے اور ہزاروں میں ایک آدھ فرد ایسا ہے جو دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے ذریعے اپنے دین کو سیکھنا اور اپنی عاقبت کو سنوارنا چاہتا ہے، اگر مجوزہ سرکاری منصوبہ کے مطابق دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں بھی وہی نصاب تعلیم جاری کر دیا جائے جس کی افراط بدہضمی تک پہنچ گئی ہے (جدید تعلیم گاہوں کے ہزاروں افراد اچھی اچھی ڈگریوں کا پشتارہ لئے بے روزگاری کی وادی تیہہ میں سرگرداں بھٹک رہے ہیں) تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہزاروں میں سے ایک فرد جو دین سیکھنے کے لئے دینی مدارس کو قبلہ توجہ بنایا اس کو بھی کوئی پناہ نہ ملے گی۔" (نظام تعلیم و تربیت)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ کی مذکورہ تحریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مدارس دینیہ

کو جدید تعلیم گاہوں میں ڈھالنے کے بجائے یہی بہتر ہے کہ ان مدارس کو ان کے حال پر رہنے دیا جائے اور جو لوگ سرکاری مراعات کے خواہش مند ہیں' ان کو جدید تعلیم گاہوں سے استفادہ کرنا چاہیے' اگر علوم دینیہ کو مادی و عصری علوم کا سنگ میل بنا دیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ علوم دینیہ کی خرید و فروخت شروع ہو جائے۔

مدارس کے نصاب کی جامعیت و افادیت:

تمام مدارس کے بنیادی نقطہ نظر کو دیکھتے ہوئے یہ بات بادی النظر میں سمجھ میں آتی ہے کہ اس کا نصاب جامد ہونے کے بجائے ایک زندہ جسم نامی کی طرح ہو' جو وسعت کی صلاحیتوں سے اس حد تک بھرپور ہو کہ زندگی کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی نہ ہو اور اس کے ذریعے دین کی صحیح طور پر ترجمانی بھی ہو سکے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدارس کا موجودہ نصاب تعلیم اپنی جامعیت کی بنا پر اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اس نے اپنی صلاحیت اور زندگی کی جاودانی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر دور میں بدلتے افکار و تصورات سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع دفع کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے' جس کی نظیریں تاریخ میں بھری پڑی ہیں۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"اسی نصاب سے جو لوگ پیدا ہو رہے ہیں' ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر بھی' اس علم میں جس میں ہندوستان کی بضاعت سب سے زیادہ مزجاۃ (ادنیٰ) سمجھی جاتی ہے یعنی فن حدیث' اس کے متعلق قسطنطنیہ کے فاضل جلیل علامہ زاہد بن الحسن الکوثری نے حضرت الاستاذ العلامۃ الامام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی شرح مسلم جب دیکھی تو مولانا کو ایک خط لکھا (جواب شرح مسلم "فتح الملہم" کے جلد ثالث کے آخر میں چھاپ بھی دیا گیا ہے) اس میں علامہ کوثری مولانا کو خطاب کر کے اعتراف کرتے ہیں:

"فانتم بہا مولانا فخر الحنفیۃ فی ہذا العصر حقاً" مولانا! آپ کی ذات اس عصر میں تمام دنیا کے حنفیوں کے لئے فخر ہے۔" (نظام تعلیم و تربیت)

یہ تو ایک تحریری اعتراف ہے' مصر ہی کے مشہور عالم صاحب قلم و کمال' علامہ رشید رضا مصری مرحوم جب تشریف لائے اور ان کے سامنے ہندی نظام تعلیم کا ایک نمونہ پیش کیا گیا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مرحوم رشید رضا مصری کرسی سے اٹھ اٹھ جاتے تھے اور جب ہندوستانی عالم اپنی تقریر جو عربی میں ہو رہی تھی ختم کر چکا تو علامہ رشید رضا نے خدا جانے کیا کیا' مگر یہ جملہ بار بار ان کی زبان پر بے ساختہ آتا تھا:

"ما رأیت مثل ہذا الأستاذ الجلیل قط۔"

یہ حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کی ذات بابرکات تھی اور اسی ٹوٹے پھوٹے بوریائی طریقہ تعلیم کے ادارہ کو دیکھ کر ان کو اعلان کرنا پڑا:

"لو لا رأیتہا لرجعت من الہند حزیناً۔"

درس نظامی کے متعلق ایک غلط فہمی:

درس نظامی کے متعلق ایک غلط ہوا چل پڑی ہے کہ آج کل جو علوم و فنون مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں' ان میں سے نصف کتابیں فلسفہ اور ہیئت کی ہیں جو نہ ہمارے مذہبی علوم ہیں اور نہ ہمارے مذہب کی فہم و معرفت ان پر موقوف ہے' مزید یہ کہ ان کے اکثر مسائل سائنس و ٹیکنالوجی اور فلسفہ جدیدہ کی ترقی کے بعد بے کار اور لاطائل ہو چکے ہیں' لہٰذا ان کی جگہ علوم جدیدہ کی شمولیت کو یقینی بنایا جائے۔ (آئینہ دارالعلوم پندرہ روزہ یکم فروری تا ۱۵ فروری ۲۰۰۲ء)

مگر یہ خیال صحیح نہیں' کیونکہ اس میں سراسر مبالغہ ہے کہ مدارس میں نصف کتابیں قدیم فلسفہ و ہیئت کی پڑھائی جاتی ہیں' ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ معقولات کی کچھ معیاری کتابیں ضرور پڑھائی جاتی ہیں جو نہ بہت مشکل ہے اور نہ دقیانوسی' اگر معقولات کے نقاد یہ چاہتے ہوں کہ فلسفہ و معقولات کی تعلیم کو شجر ممنوعہ قرار دیا جائے تو یہ مطالبہ غیر منصفانہ ہوگا۔ چونکہ ان علوم کی افادی قدر و قیمت کے علاوہ ایک ملی قدر و قیمت بھی ہے' یہ فنون ہمارے اسلاف کی ذہنی کاوشوں کے شاہد عادل ہیں' اس حیثیت سے یہ فن ایک مقدس قومی و ملی ورثہ ہے۔

بیک وقت دونوں علوم کا اجتماع ناممکن:

مدارس اسلامیہ کے نصاب میں عصری علوم کا اضافہ کر کے دونوں علوم میں کامل دسترس حاصل کرنا عقلاً ناممکن ہے' کیونکہ: "من طلب الکل فات الکل" نیز اس کی تائید حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تحریر سے بھی ہوتی ہے:

"جس کو علوم جدیدہ پڑھنے کا شوق ہوگا' وہ دینی مدارس سے فارغ ہونے کے بعد عصری درس گاہ میں جا کر بڑی آسانی سے حاصل کر سکے گا' دوسرے دونوں علوم کے ساتھ ساتھ پڑھانے سے استعداد میں وہ پختگی نہیں آئے گی جو مطلوب ہے۔" (دارالعلوم ایک عظیم کتب فکر از مفتی ظفیر الدین مفتاحی)

پھر تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس طرح "آدھا تیتر آدھا بٹیر" نہ اچھا تیتر ہوتا ہے نہ اچھا بٹیر' اسی طرح علوم دینیہ کے ساتھ علوم عصریہ کی پیوند کاری سے نہ اچھا

مولوی بنتا ہے نہ اچھا مسٹر' کیونکہ دونوں علوم کی سمت سفر اور منزل الگ الگ ہے' نتیجتاً دو مخالف راستوں پر چلنے والا مسافر درمیان میں پھنس کر رہ جاتا ہے:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے:

مدارس میں علوم عصریہ کی شمولیت کی بات بظاہر بڑی ہمدردی اور اپنائیت کی حامل ہے' لیکن اس کی دبیز تہوں میں علوم دینیہ سے بغض وعداوت اور علماء اسلام سے نفرت وتجانب کی سلگتی ہوئی چنگاری سے اٹھتا ہوا دھواں اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ان جیسی باتوں کا مقصد امت مسلمہ کو قرآن وحدیث اور فقہ وتصوف کے علوم آب دار سے کلیتاً محروم کر کے مغربیت اور اس کی فکر کی چھاپ ڈالنی ہے' بالفاظ دیگر مدارس میں عصری تعلیم کا نعرہ "حب علیؓ میں نہیں' بغض معاویہؓ" میں لگایا جا رہا ہے' جن کے افکار مدارس دینیہ کے سلسلے میں یہ ہیں کہ وہ ملا پیدا کرتے ہیں جو سوسائٹی پر ایک بوجھ ہیں یا زکار رفتہ چیز ہے یعنی چوب مسجد جو نہ قابل فروختنی ہے نہ سوختنی۔ (تعمیر حیات لکھنؤ)

دینی اور عصری علوم دو مستقل راہیں:

عصری اور دینی علوم دو مستقل راہیں ہیں' دونوں کے اپنے اپنے مطالبات اور تقاضے ہیں' جزوی طور پر دونوں میں سے کسی ایک کام کو کیا جائے تو اس کا حق بجالانا ممکن ہے' اگر دونوں جدا جدا راہوں کو ملا دیا جائے تو مدارس عربیہ کے طلبہ پر دو طرفہ ذمہ داری عائد کرنا لازم آئے گا' جس کے نتائج خوشگوار نہیں ہوں گے:

بس ایک قدم چلے تھے غلط راہ شوق میں
منزل تمام عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

رہا سوال دنیاوی علوم سے ناواقفیت کا تو یہ قدرت کا آفاقی نظام ہے کہ ہر شخص ہر تعلیم کا ماہر نہیں ہوتا' انجینئر صاحب اپنے اہل وعیال کو صحت کی دیکھ ریکھ کے لئے ڈاکٹر صاحب کے محتاج ہیں' ڈاکٹر صاحب مکان بنانے میں انجینئر صاحب کے محتاج ہیں' حالانکہ حصول علم میں دونوں نے تقریباً برابر وقت لگایا ہے' پھر جس طرح مولانا صاحب' انگریزی و سائنس کے علوم میں دوسروں کے حاجت مند ہیں' اسی طرح ہم دینی علوم ڈاکٹر وانجینئر اور دیگر اہل علم کو مولانا صاحب کا محتاج کہہ سکتے ہیں: "وللناس فیما یعشقون مذاہب" (الجمعیۃ دینی مدارس نمبر)

اگر ایک مولوی صاحب کو سائنس اور میتھامیٹکس سیکھنے کی رائے دی جاسکتی ہے تو ایک مسٹر کو سورۃ رحمن اور سورۃ یٰسین اور دیگر مسائل فقہیہ سیکھنے کی رائے کیوں نہیں دی جاسکتی جو کہ ان کی دنیا وآخرت دونوں کا سہارا ہے۔

مدارس دینیہ میں اصالتاً عصری علوم کی گنجائش نہیں:

مدارس عربیہ میں اگر علوم عصریہ کا اہتمام کیا جائے تو اس کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں جو مدارس کے نصب العین سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتیں' پہلی صورت یہ ہے کہ علوم جدیدہ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں اور ان کی گرامر مدارس میں شامل نصاب کی جائیں' جن کی مدد سے علوم عصریہ کے تعلق سے طلبہ کو ابتدائی معلومات فراہم ہوسکیں' بدیہی بات ہے کہ یہ کتابیں ابتدائی درجات ہی میں پڑھائی جاسکتی ہیں' مگر ان علوم کی ابتدائی تعلیم اسی وقت بھرپور کارآمد ہوسکتی ہے جب اس کا سلسلہ ہنوز آگے تک جاری رہے' لیکن یہ مدارس عربیہ میں ممکن نہیں' چونکہ ابتدائی درجات سے ترقی کے بعد عربی درجات میں طلبہ کو درسیات سے فرصت ہی نہیں' ان درجوں کے معرکۃ الآراء کتابوں کے وسیع مفاہیم کو سمجھنے سمجھانے اور تکرار ومطالعہ کے لئے ہی ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ بالاستیعاب انہیں دیکھ سکیں' ایسی صورت میں عصری علوم کی شمولیت کی گنجائش کیسے مل سکتی ہے؟

دوسری صورت یہ ہے کہ مختلف علوم وفنون پر مشتمل باقاعدہ علوم جدیدہ کی تعلیم دی جائے' اس کے لئے کورس تیار کیا جائے اور مستقل فن ہونے کی حیثیت سے پڑھایا جائے' اس صورت میں علوم جدیدہ کی تعلیم جزوی یا اضافی نہیں ہوگی' بلکہ معیاری تعلیم کی حیثیت سے مدارس عربیہ کے نصاب میں تعلیم کا کلیدی حصہ رکھے گی۔ ہر چند کہ مدارس دینیہ میں عصری علوم کے نصاب کو شامل کر بھی لیا جائے تو تفسیر وحدیث فقہ و اصول فقہ اور دیگر دینی مضامین پر مشتمل دینیات کے بھاری بھرکم کورس کے ساتھ طلبہ اس بارگراں کو برداشت نہیں کر سکتے یا پھر وہی ثابت ہوگی:

"نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے"

(آئینہ دارالعلوم)

بعض دانشوران کی آراء اور ان کا جائزہ:

بعض دانشوران قوم کا خیال ہے کہ علم ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے' اسے دین ودنیا کے الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے' مسلمان اپنے اقبال مندی کے دور میں دونوں علوم کے سالار کارواں رہے ہیں۔ (الجمعیۃ دینی مدارس نمبر)

اس سلسلے میں منصفانہ جائزہ یہ ہے کہ اقبال مندی کا دور بھی دینی اور دنیوی علوم کی تفریق سے خالی نہیں رہا' بجز چند مستثنیات کے دونوں علوم کے حاملین الگ الگ جماعتوں میں منقسم رہے ہیں' قرآن وسنت کے نصوص میں بھی اس تفریق کے واضح اشارے موجود ہیں' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انتم اعلم بامور دنیاکم" اور "من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین" فرما کر علم دو خانوں

میں بانٹ دیا تھا "الدنیا مطی الآخرۃ" کا ارشاد بھی اس تقسیم کی طرف مشیر ہے' چونکہ سوار اور سواری کے فرق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' پھر علوم دنیوی کا افادی پہلو اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود اس فانی زندگی تک محدود ہے' جب کہ دینی علوم حیات اخروی کی ابدی و سرمدی زندگی کی سعادتوں اور کامرانیوں کا ذریعہ ہے۔ (عربی مدارس کا متحدہ نظام)

عصری علوم کے مضر اثرات:

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دینی و عصری تعلیم اپنے نفسیاتی اثرات و نتائج کے اعتبار سے آپس میں بالکل مختلف اور متضاد ہیں' عصری علوم سے طلبہ میں ظاہری و باطنی آزادی جنم لیتی ہے' ظاہری تو یہ ہے کہ لباس بھی انگریزی سر پہ بال بھی انگریزی' اسبال ازار' داڑھی فرنچ کٹ یا منڈی ہوئی' راستہ پر کھڑے ہو کر کھانا اور گزرگاہ پر کھڑے کھڑے پیشاب کرنے کو اعلیٰ ترین تہذیب تصور کرنے لگتے ہیں۔ باطنی یہ کہ جاہ طلبی' مادہ پرستی' دنیا طلبی' عجب و تکبر اور بڑائی میں مبتلا ہو کر قرآن و حدیث کے روحانی و نورانی اثرات سے عاری ہو جائیں گے' پھر عامۃ الناس نہ ان کو علماء سمجھیں گے اور نہ ہی ان سے دینی مسائل اور شرعی معاملات میں رجوع کریں گے۔ (نظام تعلیم و تربیت)

ہر چند کہ علوم عصریہ کو دینی مدارس میں داخل کرلیں تو اس کے اثرات کیا مرتب ہوں گے' حضرت مفتی عاشق الٰہی صاحبؒ لکھتے ہیں:

"جب شیخ الہندؒ جرم بے گناہی (اسارت مالٹا) سے آزاد ہو کر ہندوستان تشریف لائے تو بعض لوگوں نے رائے دی کہ اب انگریزی داں علماء کی ضرورت ہے جو ان انگریزوں سے ڈٹ کر مقابلے کریں' لہٰذا ایسا مدرسہ کھولا جائے جس میں عربی اور انگریزی دونوں ہوں' چنانچہ "دہلی" میں جامعہ ملیہ کے نام سے مدرسہ کھولا گیا' لیکن حاصل اس کا وہی نکلا کہ انگریزی مزاج کی یونیورسٹی بن کر رہ گیا۔"

(الجمعیۃ خصوصی اشاعت دینی مدارس نمبر)

حاصل یہ ہے کہ جن مدارس کو دین و دنیا کا سنگم بنایا گیا وہاں کے متخرجین دنیا سے محبت کرنے والے ہی بنے اور دنیا ہی کو لے کر چلے' اگر ملت کی شیرازہ بندی مقصود ہے' تو علی گڑھ اس درد کی دوا نہیں ہو سکتا' ملازمت اور چاکری کر کے سکوں کے ٹکسالوں کا کام تو یہ قومی کالج ضرور دے سکتے ہیں' لیکن قوم کا قوام تو انگریزی سے نہیں عربی ہی سے درست ہو سکتا ہے۔ (انشائے ماجد)

اکبر الہ آبادی مرحوم نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

یہ بات تو کھری ہے' ہرگز نہیں ہے کھوٹی
عربی میں نظم ملت' بی اے میں صرف روٹی

حرف آخر:

مذکورہ بالا تمام معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ مدارس کے نصاب تعلیم میں عصری علوم کا کوئی بھی حصہ اصالتاً شامل کرنا آثار و نتائج کے اعتبار سے سودمند عمل نظر نہیں آتا اور اس کے برعکس نقصانات اور غیر مفید نتائج بالکل عیاں ہیں۔ (ماہنامہ بینات کراچی اپریل ۲۰۰۲ء)

اس لئے اس حد تک انگریزی' ہندی زبانوں کی تعلیم جس سے ضرورت پوری ہو جائے اور اصل دینی تعلیم پر کوئی آنچ نہ آئے' اس میں کوئی حرج نہیں ہے' بلکہ یہ موجودہ دور کی ایک اہم ضرورت ہے۔

☆☆..........☆☆

بقیہ: بیوی کا مرتبہ

سسرال میں بیوی جو کچھ کھاتی ہے' اپنے حق سے' بھیک مانگی نہیں کہ خیرات سمجھ کر ترس کھا کر دو چار پیسے اس کے آگے ڈال دیئے' سائل گداگر نہیں کہ رات کی باسی روٹی کے ٹکڑے اس کے دامن میں پھینک دیئے' علم و حکمت کی اسی کان میں جس کا نام حدیث نبویؐ ہے' ایک روایت حکیم بن معاویہؓ کے حوالے سے آئی ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبوی ﷺ میں آ کر عرض کیا کہ شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"شوہر جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے' جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے' اس کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں: اس میں عیب نہ نکالے (یعنی صورت' سیرت کی ٹوہ نہ کرے) اور نہ یہ کہ اسے چھوڑ کر کہیں چلا جائے' رکھے بہر حال اسے اسی مکان میں۔" (ابن ماجہ)

ایک دوسری طویل حدیث کے آخر میں اس سے زیادہ تاکید و تصریح کے ساتھ آئی ہے:

"خبردار رہو کہ بیویوں کا حق یہ ہے (لفظ حق یاد رہے) کوئی رعایت اور کوئی احسان نہیں کہ کھانے اور لباس میں ان کے ساتھ بہتر سے بہتر طریقہ برتو۔" (ترمذی' ابن ماجہ)

بیوی اپنے شوہر کے گھر میں حاکم و مختار ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک باب کا مستقل عنوان بھی رکھا ہے: "المرأۃ راعیۃ بیت زوجھا" اور اس کے تحت جو حدیث درج کی ہے' اس میں یہ الفاظ موجود ہیں: "المرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا" یعنی عورت حاکم ہے اپنے شوہر کے گھر پر۔

یہ شاعری نہیں حقائق ہیں۔ انشاء پردازی نہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں۔ ☆☆

اعمالِ مغفرت

جناب محمد راشد صاحب

اللہ کے راستے کا ذکر:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں جاتا کوئی مسلمان بندہ اللہ کے راستے میں یا کوئی حاجی لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے یا لبیک پڑھتے ہوئے مگر سورج اس کے گناہوں کو لے کر ڈوب جائے گا اور وہ گناہوں سے ایسا نکل آئے گا جیسا کہ اپنی ماں سے پیدائش کے دن تھا (کفارات الخطایا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو احرام کی حالت میں ستر مرتبہ تلبیہ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جہنم سے آزادی اور نفاق سے آزادی پر ستر ہزار فرشتوں کو گواہ بنالیتا ہے۔ (مسند الفردوس)

حج کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرمارہے تھے کہ جس نے اس طرح حج کیا کہ اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہوکر واپس ہوگا جیسا کہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ (کفارات الخطایا)

پچاس مرتبہ طواف کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بیت اللہ کا پچاس مرتبہ طواف کیا اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جس طرح کہ اپنی ماں سے پیدائش کے دن تھا۔ (کفارات الخطایا)

مسلمان کی حاجت پوری کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی حاجت میں چلا تو اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلہ ستر نیکیاں لکھیں گے اور ستر ہزار گناہوں کو مٹائیں گے یعنی معاف فرمائیں گے یہاں تک کہ وہ اس مقام پر لوٹ کر واپس آجائے جہاں اس نے بھائی کو چھوڑا تھا۔ اب اگر اس نے اس کی حاجت پوری کردی تو وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل آئے گا جس طرح کہ اپنی ماں سے پیدائش کے دن تھا (یعنی کچھ بھی باقی نہیں رہیں گے) اور اس سعی وکوشش میں وفات پاگیا تو جنت میں بغیر حساب داخل ہوجائے گا۔ (کفارات الخطایا)

میت کی تجہیز وتکفین:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میت کو نہلایا اور اس نے امانت کو ادا کیا، خدانخواستہ اگر کوئی عیب کی بات دیکھی تو اس کو افشا نہ کیا تو اپنے گناہ سے ایسا نکل جائے گا جیسا کہ اپنی ماں سے پیدائش کے دن تھا یعنی کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ (کفارات الخطایا)

بیماری پر صبر کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی ایک رات بیمار رہا، پھر اس پر صبر کیے رہا اور اللہ عزوجل سے راضی رہا تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے ماں سے پیدائش کے دن تھا یعنی کچھ بھی گناہ باقی نہیں رہیں گے۔ (کفارات الخطایا)

بدھ، جمعرات اور جمعہ کا روزہ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے بدھ، جمعرات اور جمعہ کے دن روزہ رکھا، پھر جمعہ کے دن صدقہ کیا، خواہ قلیل مقدار میں یا کثیر مقدار میں تو اس کے تمام گناہوں کی مغفرت کردی جائے گی کہ وہ ایسا ہوجائے گا جیسا کہ وہ اپنی ماں سے پیدائش کے دن تھا (یعنی کچھ گناہ بھی باقی نہیں رہیں گے)۔ (کفارات الخطایا)

سوتے وقت کا ایک وظیفہ:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے بستر پر سونے کے لئے لیٹے اور یہ دعا پڑھے: "الحمدللہ الذی علا فقہر وبطن...... وملک فقدر الحمد للہ الذی یحیی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر۔" تو وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل جائے گا جیسے ماں سے پیدائش کے دن

تھا۔(کفارات الخطایا)

نماز کا اہتمام کرنا:

ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے پانچ وقتوں کی نماز باجماعت پڑھنے کی محافظت کی تو وہ ایسا ہوگا جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن (بے گناہ) تھا۔(ترمذی)

نماز اشراق پڑھنا:

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں گئے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ باتیں کررہے تھے' پس آپ نے فرمایا: جس کے سامنے آفتاب آجائے (مراد اشراق کا وقت ہے) پھر وہ کھڑا ہوا پس وضو کیا پس بہت اچھی طرح وضو کیا پھر کھڑے ہوکر اس نے دو رکعت نفل پڑھیں تو اس کی خطائیں معاف کردی جائیں گی اور ایسا ہوجائے گا جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا۔(ترمذی)

روزہ اور تراویح کا اہتمام:

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی دیگر مہینوں پر فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: جس شخص نے ایمان واخلاص کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن تھا۔(نسائی)

فائدہ: ایک روایت میں ''صام وقام'' کے الفاظ آئے ہیں'' کہ روزہ رکھا اور قیام کیا''۔

شش عید کے روزے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے (نفل روزے) رکھے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن تھا۔(طبرانی)

لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی فضیلت:

صاحب نزہۃ المجالس کہتے ہیں میں نے تنبیہ الغافلین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت بایں مضمون دیکھی ہے کہ جو شخص اس متبرک کلمہ کو کہتا ہے وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہوجاتا ہے جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہے اور ایسا شخص گناہ سے ستر دروازہ دور رہے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ہر دن سو مرتبہ کہے گا تو فقر اور محتاجی اس پر سایہ نہ ڈالے گی۔(ارشاد قدسی)

فائدہ: ان انعامات کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانیوں سے بچنا بھی ضروری ہے۔

دوسو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ہر روز دو سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی تو اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کردیے جائیں گے مگر یہ کہ اس پر قرض ہو۔(کفارات الخطایا)

کامل وضو اور نفل نماز کی ادائیگی:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وضو کیا اور نہایت احسن طریقہ پر وضو کیا' پھر فرمایا: جس شخص نے میرے اس وضو کرنے کی طرح سے وضو کیا پھر مسجد میں آیا وہاں دو رکعت نفل ادا کی پھر بیٹھا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: دھوکا مت کھانا۔(بخاری)

فائدہ: ''دھوکا'' کھانے کا مطلب یہ ہے کہ عمل کے بغیر مغفرت کے بھروسہ پر نہ رہنا' باقی اعمال بھی کرتے رہنا۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ جب وضو کے بعد بیٹھتا ہے تو بخشا ہوا ہوتا ہے۔

رمضان المبارک میں ذکر الٰہی کا اہتمام:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان شریف میں ذکر الٰہی کرنے والا بخشا بخشایا ہے۔(طبرانی)

فائدہ: رمضان المبارک کے مبارک اوقات کو ضائع کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت میں خرچ کرنا چاہئے۔

اذان کہنے کا اجر:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: موذن کی مغفرت کردی جائے گی اور ہر تر اور خشک چیز جو اذان کو سنے وہ موذن کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ (کفارات الخطایا)

سجدے میں دعا مانگنا:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ ''رب اغفرلی'' کہا' سجدے سے وہ سر نہیں اٹھا پائے گا کہ اس کی مغفرت کردی جائے گی۔(کفارات الخطایا)

ظہر سے قبل چار رکعت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ اس کے اس دن کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔(کفارات الخطایا)

عصر سے قبل چار رکعت:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت مسلسل عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتی رہے گی حتی کہ وہ زمین پر اس حال میں چلے گی کہ اس کی مغفرت کی جاچکی ہوگی۔ (کفارات الخطایا)

مغرب کے بعد نماز پڑھنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ظہر اور عصر کے درمیان اور مغرب اور عشاء کے درمیان جاگتا رہا (یعنی عبادت کرتا رہا) اس کی مغفرت کردی جائے گی اور (بروز قیامت) دو فرشتے اس کی سفارش کریں گے۔ (کفارات الخطایا)

صلوٰۃ التوبہ پڑھنا:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی بندے سے جب گناہ ہوجائے پھر وہ وضو کرے اور وضو کو کمال درجہ تک پہنچائے اور پھر وہ ایک خالی جگہ میں جاکر دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ سے اس گناہ کی مغفرت چاہے اللہ اس کی مغفرت فرمادیں گے۔ (کفارات الخطایا)

جمعہ کے دن غسل کرنا:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جمعہ کے دن غسل کرنا گناہوں کو بالوں کی جڑوں سے سونت کر نکال دیتا ہے۔ (کفارات الخطایا)

ہر مہینے تین روزے رکھنا:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! نفل روزوں کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جو استعداد رکھتا ہو ہر مہینے تین روزے رکھ لیا کرے کیونکہ ہر دن کا روزہ دس خطاؤں کی بخشش کا ذریعہ ہے اور یہ گناہوں سے ایسا صاف ستھرا کردیتا ہے جیسے پانی کپڑے کو۔ (کفارات الخطایا)

آسان وظیفہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کے بعد: "سبحان اللہ العظیم وبحمدہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہے وہ شخص اس حال میں کھڑا ہوگا کہ اس کی مغفرت ہوچکی ہوگی۔ (کفارات الخطایا)

شب جمعہ میں سورۂ دخان کی تلاوت کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۂ دخان کو شب جمعہ میں پڑھا تو اس کی مغفرت کردی جائے گی۔ (کفارات الخطایا)

شب جمعہ میں سورۂ یٰسین پڑھنا:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے شب جمعہ میں سورۂ یٰسین پڑھی اس کی مغفرت کردی جائے گی۔ (کفارات الخطایا)

صبح وشام کا وظیفہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کے اور شام کے اوقات یہ دعا پڑھے: "اللھم انی اصبحت اشھدک واشھد حملۃ عرشک وملائکتک وجمیع خلقک انک انت اللہ لا الہ الا انت وان محمداً عبدک ورسولک" تو اللہ تعالیٰ ان گناہوں کی مغفرت فرمادے گا جو اس دن اس سے سرزد ہوئے اور جو شام کے وقت اس دعا کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ ان گناہوں کی مغفرت فرمادیں گے جو اس رات میں اس سے سرزد ہوئے۔ (کفارات الخطایا)

ایک اور آسان وظیفہ:

حضرت ابان المحاربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان بندہ جب صبح کرے اور شام کرے تو "ربی اللہ لا اشرک بہ شیئاً واشھد ان لا الہ الا اللہ" کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ (کفارات الخطایا)

سورۂ تبارک الذی کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ایک سورۃ تیس آیات کی ایسی ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی مغفرت کرادے اور وہ تبارک الذی ہے۔ (کفارات الخطایا)

کامل استغفار:

حضرت بلال بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندے نے ان الفاظ کے ساتھ توبہ و استغفار کیا: "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ" تو اس بندہ کی ضرور مغفرت کردی جائے گی اگرچہ وہ میدان جنگ سے بھاگ کر ہی آیا ہو۔ (کفارات الخطایا)

اللہ سے مغفرت طلب کرنا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: اے علی (رضی اللہ عنہ)! میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں کہ ان کی بدولت اگر تم دعا مانگو پھر تمہارے صدا (یمن میں ایک مقام کا نام ہے) کے برابر گناہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کلمات کی وجہ سے تمہاری مغفرت فرمادے گا۔ حضرت علی رضی اللہ

عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ضرور سکھایئے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' تم کہو: "اللھم انی اسئلک بلا الہ الا انت الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش الکریم اسالک ان تغفرلی."

جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھنا:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے سے ایک نور اس کے قدم سے آسمان تک کے برابر نکلتا ہے جو قیامت تک چمکتا رہتا ہے اور دونوں جمعوں کے درمیان کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ (ابن مردویہ)

مختصر وظیفہ:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد "استغفر اللہ ربی واتوب الیہ" پڑھا کرے تو اس کی مغفرت کردی جائے گی خواہ وہ میدان جنگ سے بھاگ کر ہی کیوں نہ آیا ہو۔ (کفارات الخطایا)

ذکر کی مجلس پر مغفرت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب لوگ صرف اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کے لئے اکٹھے ہوتے اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کھڑے ہوجاؤ تم کو بخش دیا گیا' تمہارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا گیا۔ (احمد)

نعمت پر حمد پڑھنا:

حدیث شریف میں آیا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کسی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ پہلی مرتبہ الحمدللہ کہتا ہے تو اس کا شکر ادا کردیتا ہے' دوسری مرتبہ الحمدللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ازسرنو اس نعمت کا ثواب دیتا ہے اور جب تیسری مرتبہ الحمدللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ (حصن حصین)

مجلس کا کفارہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور اس میں الٹی سیدھی باتیں ہوجاتی ہیں سو جو کھڑے ہونے سے پہلے یہ کلمات کہہ دے: "سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک" تو اس مجلس میں جو کچھ کوتاہی ہوئی ہے اس سب کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ (ابوداؤد)

تین بار درود شریف پڑھنا:

ابوکاہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر روز مجھ پر تین بار درود شریف پڑھے نہایت محبت اور شوق میں آکر تو اللہ کے ذمہ حق ہے کہ اس رات اس کے گناہ بخش دے۔ (طبرانی)

کثرت سے استغفار پڑھنا:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو شخص استغفار کرتا رہتا ہے وہ گناہ پر اصرار کرنے والوں میں نہیں ہوتا' اگرچہ دن میں ستر بار کرے (یعنی استغفار کی برکت سے) اس طرح گناہ مٹ جاتے ہیں جیسا کہ گناہ کیا ہی نہیں۔

حدیث میں ہے: "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا گناہ کیا ہی نہیں۔ دوسری روایت میں ہے: "من استغفر اللہ غفر اللہ لہ" جو شخص اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے۔

فائدہ: لہٰذا تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے سچی توبہ کرنا ضروری ہے اور دل سے ندامت ہو' حقوق العباد سے سبکدوش ہوں' فرائض وواجبات جو رہ گئے ہوں ان کی قضا کرے پھر مغفرت کاملہ یقینی ہے انشاءاللہ۔

☆☆..........☆☆

نعت رسول مقبول ﷺ

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کردے

ہو نہ یہ پھول' تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو' خم بھی نہ ہو
خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں' دامن کہسار میں' میدان میں ہے

بحر میں' موج کے آغوش میں' طوفان میں ہے
چین کے شہر' مراقش کے بیابان میں ہے

اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعت شان ورفعنالک ذکرک دیکھے

مرسلہ: مولانا محمد اسرائیل گڑنگی

بیوی کا مرتبہ

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مولانا عبدالماجد دریابادی

ہجرت کے بعد کا زمانہ ہے' سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہیں۔ ایک بار چودہ شعبان کو شب میں بستر مبارک سے آہستہ سے اٹھتے ہیں۔ روایت بیان کرنے والی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں وہ بھی آرام فرما تھیں۔ ردائے مبارک آہستہ سے اٹھاتے ہیں' حجرے کا دروازہ آہستہ سے کھولتے ہیں اور چپکے سے قبرستان بقیع میں مومنین کے حق میں دعائے مغفرت کرنے تشریف لے جاتے ہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر جنبش کے لئے "رویدا" استعمال کرتی ہیں "فقام رویدا اخذ فاہ رویدا" وغیرہ معنی آہستہ کے ہیں۔

یہ اس وقت ہر عمل میں آخر آہستگی کا اہتمام کیوں؟

جواب دنیا سنے گی؟ شوہروں کو تمام تر خدائے مجازی اور بیویوں کو تمام تر باندی سمجھنے والی دنیا سنے گی؟ آہستگی کا اہتمام اس لئے اور محض اس لئے کہ پاس لیٹی ہوئی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی راحت میں بلاضرورت خلل نہ پڑے۔ اللہ اکبر! آج بڑے بڑے نرم مزاج شوہروں میں بھی ہیں کوئی صاحب رفیقہ حیات کی راحت و آسائش کا اس درجہ اہتمام رکھنے والے؟

جس نے اپنی ازدواجی زندگی اس معیار کے مطابق گزار دی' حق پہنچتا تھا اسی کو کہ کھلے لفظوں میں اعلان کرے اور دنیا میں پکار دے:

"خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی" (ترمذی' ابن ماجہ)

"تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو مجھے دیکھو میں اپنے گھر والوں میں بہتر ہوں۔"

یا پھر بھی پکار دوسرے لفظوں میں:

"خیارکم لنسائھم۔" (ابن ماجہ)

"تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔"

نیکی اور بزرگی کا معیار آپ نے ملاحظہ فرمالیا؟ یہ نہیں کہ دفتروں اور کچہریوں میں دوستوں کے مجمع میں قومی جلسوں میں کون کیسا نظر آتا ہے؟ بلکہ بیوی کے ساتھ برتاؤ کس کا نرم ہے؟ گھر کے اندر صبر و تحمل کا ثبوت کون دیتا رہتا ہے اور جلوت میں نہیں' خلوت میں کون کیسا ہے؟

سسرال جیل خانے کا نام نہیں اور نہ لڑکی شادی کے بعد بیوی سے باندی بن جاتی ہے' آسان تھا بجائے خطبۂ نکاح میں تصریحات کے محض اتنا کہہ کر لڑکی کا ہاتھ پکڑا دیا جاتا کہ: "میاں لڑکی نہیں خدمت کو کنیز دی جارہی ہے۔" ان الفاظ سے دل جو پہلے سے بھر آنے کے لئے تیار ہیں ضرور بھر آتے' لیکن حقیقت کی ترجمانی نہ ہوتی' اسلام میں بیوی کنیز نہیں ہوجاتی' بیوی ہی رہتی ہے' تو کیا سب سے بڑے حکیم اور سب سے بڑے حاکم کا یہ فرمان کسی مسلمان تک نہیں پہنچا ہے کہ "عاشروھن بالمعروف" یہ صیغہ امر بطور حکم ارشاد ہورہا ہے کہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ' حسن معاشرت قائم رکھو! قید کسی خاص حالت کی نہیں جوانی میں بھی اور بڑھاپے میں بھی' وہ حسین و جمیل ہو تو اور حسن و جمال ظاہری سے محروم ہو تو' ڈھیروں مال لے کر آئے جب بھی اور خالی ہاتھ آئے جب بھی عزت رکھتی ہے' شوہر کی آمدنی پر حق رکھتی ہے' حیثیت و مرتبہ رکھتی ہے' لازم ہے کہ لحاظ اس کی عزت کا' حیثیت کا' مرتبے کا رہے: "ولھن مثل الذی علیھن" "جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذمہ ہیں' ویسے ہی عورت کے بھی مرد کے ذمہ ہیں اور کیوں نہ ہوتے' جب خلقت دونوں کی ایک رکھی گئی ہے اور خلقت کی یکسانی کا گواہ کوئی دوسرا نہیں خود خالق کائنات ہے: "واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا" "اللہ نے تمہاری بیویاں تم ہی میں سے پیدا کیں' تمہاری جنس سے ہے' اس کی فطرت تمہاری فطرت' اس کی خلقت تمہاری خلقت ہے' تمہیں اگر سیم و زر کی طلب ہے تو وہ بھی احتیاج مال سے بے نیاز نہیں رکھی گئی' تم اگر اپنی راحت و آسائش کے بھوکے ہو تو اس کا جسم بھی خستگی اور تھکن کے اثرات کو قبول کرنے والا بنایا گیا ہے' تمہیں اگر غصہ آتا ہے تو وہ بھی بے حس نہیں پیدا کی گئی ہے' تم اگر اپنی جان و عزت کے طالب ہو تو وہ بھی اپنی توہین و رسوائی سے خوشی نہیں حاصل کرتی' تم اگر حکومت چاہتے ہو تو وہ بھی غلامی کے لئے خلق نہیں ہوئی:

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے

تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے
اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے
مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے' اس خدا
سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے
سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ وقرابت کے
تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو! یقین
جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

الفاظ پر غور کرو سارے انسانوں کی مرد ہوں یا عورت اصل ایک ہی ہے' ایک جوڑے سے مردوں اور عورتوں کی ساری نسلیں چلی ہیں' جذبات کی یکسانی کے اظہار کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ پھر حقوق پر صراحت سے ڈرایا ہے اور حقوق قرابت کے لئے غایت اہتمام یہ ہے کہ ان کے ذکر کا عطف خود اپنے ذکر پر کیا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:

"ومن ایته ان خلق لکم من
انفسکم ازواجاً." (روم)

تم ہی میں سے' تمہاری جنس سے یہیں سے رد ہوا جاتا ہے ان مذاہب باطلہ کا جنہوں نے مدت تک عورت کو بغیر روح کے مانا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اور اسے بطور اپنے نشان قدرت کے پیش فرماتے ہیں کہ عورت تو تمہاری جنس کی چیز ہے۔ تم سے فروتر' پست تر کوئی دوسری جنس نہیں۔ اس کی آفرینش سے یہ غرض نہیں کہ تم اسے باندی بنا کر رکھو بلکہ وہ تو اس لئے ہے کہ "لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ" تم اس سے تسکین وراحت' سکون خاطر حاصل کرو' دونوں کے درمیان رشتہ اور تعلق آقائی اور کنیزی کا نہیں' محبت والفت کا قائم کر دیا گیا ہے۔

الفاظ اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ حاجت نہ کسی تشریح کی نہ حاشیہ آرائی کی' اصل مقصود زندگیوں کو محبت اور اخلاص سے شیریں بنا دیا ہے اور جن لوگوں کی فطرت سلیم ہے' وہاں بحمد اللہ یہی کیفیت پائی جاتی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے پر فریفتہ رہتے ہیں۔ لیکن جہاں بدقسمتی سے مذاق فاسد ہو چکے ہیں' وہاں کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

"فان کرھتموھن فعسیٰ ان
تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیه خیراً
کثیراً." (النساء:۱۹)

"اگر تمہیں سیرت وصورت میں کوئی
عیب معلوم ہو تو تمہیں کیا خبر کہ جو شے ناپسند
ہو رہی ہو' اللہ نے اس میں کوئی بڑی مصلحت
کوئی بڑی منفعت نہ رکھ دی ہو؟"

آیت کے اس ٹکڑے کے ملاحظے کے بعد شوہر کے دل میں کچھ کشیدگی بیوی کی طرف سے باقی رہ سکتی ہے؟

حق افسری مرد کو یقیناً حاصل ہے:" الرجال قوامون علی النساء" مرد کی برتری بالکل مسلم و برحق' وللرجال علیھن درجة لیکن جو افسر ہے وہ اپنے حق کا استعمال کیوں کر کرے؟ اس کا جواب بھی قرآن لانے والے کی زبان سے سنئے۔ ابو ہریرہ صحابی' معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"نصیحت قبول کرو عورتوں کے باب
میں نرمی کی اس لئے کہ ان کی خلقت پسلی سے
ہوئی ہے اگر تم اس کو ہموار کرنے کی فکر میں لگے
رہے تو اسے توڑ کر رہو گے اور اگر اس کے حال پر
اسے رہنے دو گے تو کجی بدستور رہے گی' پس
نصیحت قبول کرو عورتوں کے باب میں نرمی کی۔"

خیال کر کے دیکھئے کہ عورت کے ساتھ بھلائی اور ملائمت کی تاکید کس درجہ ہے؟ حکم شروع بھی اسی سے ہوا اور ختم بھی اسی پر' درمیان میں ارشاد کی حکمت بیان ہوتی ہے' ٹیڑھی پسلی کو سیدھا کرنے کے درپے ہو جائے تو پسلی بھلا سیدھی ہو سکتی ہے؟ البتہ ٹوٹ کر رہ جائے گی' لیکن اگر کجی کی طرف سرے سے توجہ نہیں کی جائے گی تو خرابی جوں کی توں رہے گی' اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اصلاح کی کوشش میں لگے رہو' لیکن ہمیشہ نرمی اور سہولت سے' محبت سے۔

آج عجمیت اور ہندویت کے اثر سے فخر اس پر کیا جاتا ہے کہ ہم بیوی سے دبتے نہیں دبا کر رکھتے ہیں' لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر فخر نہ تھا' وہاں بیوی کی حیثیت' ماما' اصیل کی' پیش خدمت کی' لونڈی' باندی کی نہیں' اللہ کی بخشی ہوئی بہترین نعمت کی تھی۔ ابو امامہ صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مومن کے لئے تقویٰ الٰہی کے بعد کوئی نعمت نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

مبارک ہیں وہ نعمت والے جو نعمت کی قدر پہچانیں۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اس فانی اور ناپائیدار دنیا کی نعمتوں میں کوئی نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔ عبداللہؓ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا چند روزہ ہے' لیکن اس چند روزہ عیش دنیا میں کوئی شے نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

رسول ﷺ کو رسول ماننے والے سبق لیں' حیات طیبہ کے ان دو اہم ترین واقعات سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو قلب مبارک پر اس وقت قدرتی بے چینی تھی۔ اس وقت ذات مبارک کو تسکین دینے والی اور رسالت پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی' کسی دوست عزیز کی نہیں' ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کی تھی۔ اسی طرح جب روح مبارک کسی کے دیدار کے لئے بے چین' اس جسد ظاہری سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہی تھی تو ہیں اس وقت سر مبارک کس کے زانو پر تھا؟ رفیقوں اور عزیزوں میں سے کسی مرد کے نہیں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے' یہ ہے اسلام میں بیوی کا مقام۔

باقی صفحہ 13 پر

تحریک آزادی میں علمائے کرام کا کردار

ابو وقار نظام الدین

آج سے تقریباً دو سو سال پہلے تک پورے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی' جس میں موجودہ ہندوستان' پاکستان اور بنگلہ دیش شامل تھے اور مسلمان صدیوں سے اس خطے پر حکومت کرتے چلے آرہے تھے' جب یہ خطہ علمی' ادبی' تہذیب و ثقافت' صنعت و تجارت کے اعتبار سے ترقی کی انتہائیوں کو چھو رہا تھا۔ حکمران قوم ہونے کی وجہ سے مسلمان ایک معزز قوم سمجھی جاتی تھی۔

مگر پھر وہی قانون فطرت یہاں پر بھی ظہور پذیر ہو کر رہا کہ "ہر عروج کو زوال ہے" اس خطے کے قدرتی حسن' وسائل کی فراوانی اور کچھ محل وقوع کے اعتبار سے تجارت کے لئے موزونیت نے غیر ملکیوں کو اپنا گرویدہ بنایا اور انگریز اپنی روایت چالاکی اور عیاری سے آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز سے پورے ملک پر قابض ہو گئے۔ ۱۷۱۵ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کے عرصے میں نواب سراج الدولہ' سلطان حیدر علی شہیدؒ' سلطان ٹیپوؒ' مولانا سید احمد شہیدؒ' مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی طرح جرأت مند غازیان اسلام نے اپنے خون کے نذرانے دے کر اس آندھی کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر قدرت کی طرف سے اہل ہند کو ان کی بے حسی اور غفلت کی سزا میں غیر ملکیوں کا غلام بن کر رہنا مقدر تھا۔ یوں ۱۸۵۷ء تک انگریز دہلی اور اس کے مضافات کے علاوہ تقریباً پورے ملک پر قابض ہو گئے۔

انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہوتے ہی ہندوستان کے اندر مذہب کا ضابطہ اخلاق مغرب کی تنگ نظر وادیوں میں غائب ہو گیا۔ مشرقی تہذیب و تمدن کی عمارت کھنڈرات کی ڈھیر دکھائی دینے لگی۔ عیسائی مشنریوں کو ہندوستان میں دعوت عیسائیت دینے کے لئے پھیلا دیا گیا' گویا انگریز ہماری اقتصادی آزادی چھیننے کے بعد ہم سے ہمارا متاع ایمان بھی غصب کرنے پر تلا ہوا تھا۔ کیونکہ جب کوئی قوم غلام و محکوم بن جاتی ہے تو حاکم اور فاتح قوم کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ مفتوح قوم سے سب کچھ چھین لے۔ اسکولوں اور درسگاہوں میں اور سرکاری ملازمین کو ایک پرچی بھیجی جاتی تھی' جس پر تحریر ہوتا تھا:

"اب پورے ہندوستان میں ایک عملداری ہے' اب مذہب بھی ایک ہوگا' اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ عیسائی مذہب اختیار کرو۔" (فرنگیوں کا جال: ۱۰۵)

ویسے تو ہندوستان میں ہندو' سکھ' پارسی' مسلمان اور ہر مذہب کے لوگ رہتے تھے' لیکن مسلمانوں کے دور اقتدار کو وہ نصف النہار پر دیکھ چکے تھے اور وہ جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے اندر وہی جذبہ جہاد اور جذبہ حریت باقی رہا تو ہمارا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ہماری تمام پیش بندیاں ان کے جذبہ ایمانی کے آگے ریت کی دیوار ثابت ہوں گی۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کا عروج مٹانے کے لئے ضروری سمجھا کہ مذہب کے رنگ و روغن کو مٹا دیا جائے۔

ایک طرف صلیبیوں کی یہ سازشیں بام عروج پر تھیں اور دوسری طرف پوری قوم اضطراب و پریشانی کے عالم میں دم بخود تھی۔ حق بولنا جرم تھا' انگریز کے خلاف کسی اقدام کی کوشش کا مطلب اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا' مگر قربان جاؤں علمائے حق کے کردار پر جنہوں نے ظلم و ستم کی ان اندھیری راتوں میں بھی حق کا چراغ روشن کئے رکھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے جانشین ان کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے "ہندوستان کے دارالحرب" ہونے کا وہ تاریخی فتویٰ دیا' جس کے نتیجے میں قوم کے اندر جذبہ حریت بیدار ہوا۔ علمائے کرام نے صف بندی کی' مولانا رحمت اللہ کیرانوی' مولانا محمد علی مونگیری اور دوسرے حضرات نے عیسائیت کے خلاف کتابیں تحریر کیں' پادریوں سے مناظرے کر کے ان کو شکست فاش دی اور یوں عیسائیت کے سیلاب کے آگے بند باندھنے میں یہ علما اللہ کے فضل سے کامیاب ہو گئے۔

دوسری طرف مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی' مفتی رشید الدین اور دوسرے علمائے کرام نے ملک بھر کے دیہات و قصبات میں جا جا کر عوام میں روح انقلاب کو بیدار کیا۔ رضا کار بھرتی کئے اور اسلحہ وغیرہ کے لئے فنڈ اکٹھا کیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ' مولانا رشید احمد گنگوہیؒ' حافظ ضامنؒ شہید اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی امارت میں جنگی امور تربیت دینے میں مصروف ہو گئے۔

الغرض مجاہدین کی ایک جماعت تیار ہوگئی اور شاملی کے میدان میں انگریزوں سے جنگ لڑی گئی۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے جانباز ساتھیوں کی قیادت کرتے ہوئے فتح حاصل کی لیکن یہ فتح عارضی ثابت ہوئی۔ وہ خود زخمی ہوگئے اور حافظ ضامن مرحوم شہید ہوگئے اور دوسرے ساتھی گرفتار ہوگئے جن میں سے بعض کو توپوں کے دہانے سے باندھ کر اڑا دیا گیا یہ وہ جنگ ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور انگریز کی اصطلاح میں اسے غدر کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اس کے بعد دہلی پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ مسلمانوں کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون (برما) میں تاحیات مقید کیا گیا اور بعد میں وہ وہیں انتقال کرگئے اور رنگون ہی میں ان کو دفن کیا گیا۔

اس کے بعد انگریزوں نے اہل ہندوستان پر وہ مظالم ڈھائے کہ روح فرعون بھی شرمندہ ہوگئی ہوگی۔ دہلی کو تاراج کیا گیا تاریخی عمارتیں منہدم کی گئیں حریت پسندوں کو چن چن کر قتل کیا گیا ظلم و بربریت کے وہ طریقے آزمائے گئے کہ ابلیس بھی منہ چھپائے پھرنے لگا۔

۱۸۵۷ء کے معرکہ کے بعد علمائے کرام نے تحریک آزادی کا طریقہ کار بدل دیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا جہاں سے ہزاروں مجاہدین پیدا ہوکر ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے اور انگریز کے خلاف اس وقت تک برسرپیکار رہے جب تک ان کا بوریا بستر گول نہیں ہوا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے تحریک ریشمی رومال چلائی جس کی پاداش میں ان کو مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عزیز گلؒ کے ہمراہ جزائر انڈیمان (مالٹا) میں قید و بند کی سزائیں دی گئیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی سات سال تک ملک بدر رہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے الہلال اور البلاغ کی اشاعت اور اپنی ساحرانہ طرز خطابت سے مسلمانوں کے جذبہ حریت کو دوبارہ زندہ کیا۔ ان کو بھی طویل عرصے تک پس دیوار زنداں رکھا گیا۔ نظر بندی کی سزائیں دی گئیں لیکن ان ہتھکنڈوں سے اہل حق کو کیسے دبایا جاسکتا تھا؟ چنانچہ مولانا آزادؒ نے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوکر جو بیان ریکارڈ کرایا وہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے انہوں نے فرمایا:

"اگر وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا حق کی آواز بلند کرنا جرم ہے تو میں یہ جرم بار بار کروں گا آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے تم نے ہمارے اس بنیادی حق پر ڈاکہ ڈالا ہے ایسے ڈاکوؤں اور غاصبوں کے خلاف جدوجہد کو ہم اپنا ملی اور مذہبی فرض سمجھتے ہیں جب تک ہندوستان سے فرنگی کا جابرانہ قبضہ ختم نہیں ہوتا ابوالکلام اس وقت تک آزادی کے محاذ پر مورچہ زن رہے گا۔"

آزادی کے اس عظیم مجاہد کو سالہا سال تک پابند سلاسل رکھا گیا مگر مجال تھا کہ اس کے پائے استقامت میں لغزش آئے۔

شیخ العرب والعجم حضرت سید حسین احمد مدنیؒ مالٹا کی اسیری سے رہائی پانے کے بعد جب وطن واپس تشریف لائے تو پھر اسی محاذ آزادی پر سرگرم عمل ہوگئے۔ انہوں نے خالق دینا ہال کراچی میں انگریز جج کے سامنے بندوقوں سنگینوں کے سائے میں جو بیان دیا وہ بھی آنے والے دور کے اہل حق کے لئے ایک درس ہے۔

انگریز جج نے پوچھا: حسین احمد کیا تم نے انگریزی فوج میں بھرتی کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے؟

حضرت مدنیؒ کا جواب تھا: ہاں! فتویٰ دیا تھا دے رہا ہوں اور دیتا رہوں گا ہے۔

جج نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے اس جرم کی سزا کیا ہے؟

حضرت مدنیؒ نے بغل سے کفن نکال کر دکھاتے ہوئے فرمایا: تم زیادہ سے زیادہ سزائے موت دو گے اور اس کے لئے میں دیوبند سے ہی انتظام کر کے آیا ہوں۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زندگی کے دس سال زندانوں میں گزرے ہیں بڑے بیٹے کی پیدائش کے وقت گرفتار ہوگئے تھے پھر پانچ برس کے بعد جب رہا ہوکر آئے تو بچے نے کہا کہ یہ بابا کون ہے؟ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا: میں آپ کا والد ہوں۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ کو تاحیات دہلی سے صوبہ بدر کر کے لاہور اور اس کے مضافات تک نظر بند رکھا گیا۔ انگریز برف کے سیل ان کے اوپر اور نیچے رکھ کر ان سے کہتا تھا: احمد علی! جان پیاری ہے تو انگریز کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ حضرت لاہوریؒ جواب میں فرمایا کرتے تھے: او انگریز! تم برف کے سیلوں سے میرے جسم کو ٹھنڈا کرسکتے ہو لیکن میرے ایمان کو ٹھنڈا نہیں کرسکتے ہو۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ مفتی عبدالقیوم پوپلزئیؒ مولانا تاج محمود امروٹیؒ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے بے شمار علمائے حق کو انگریزی سامراج نے جیلوں میں ڈال کر ان پر کوڑے برسا کر تحریک آزادی کو کچلنے کی ناکام کوششیں کیں۔ ماسٹر تاج الدین انصاری شورش کاشمیری چوہدری افضل حق خان عبدالغفار خان نے بھی علمائے حق کی اقتداء میں انگریز کے خلاف برسرپیکار ہوکر بے مثال قربانیاں پیش کیں اور ان سب حضرات کو انگریز کے باغی مسلمان کے لقب سے نوازا گیا۔

یہ تاریخی حقائق بتاتے ہیں کہ پاکستان محض سات سال نہیں بلکہ ڈیڑھ سو سالہ جدوجہد اور قربانیوں کا

نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ بعض نادان اور جاہل اہل قلم پاکستان کو سات سالہ کوششوں کا نتیجہ قرار دے کر جنگ آزادی کے ہزاروں شہداء کے خون سے غداری کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ آزادی قراردادوں اور کاغذی و سفارتی کوششوں سے نہیں خون کے دریا عبور کر کے حاصل کی جاتی ہے۔ غلامی کی زنجیریں جلسے جلوسوں سے نہیں تختہ دار پر کھڑے ہو کر پھانسی کے پھندے کو چوم کر گردنیں کٹوانے سے ٹوٹتی ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کی جدوجہد جو مسلمانوں کے لئے ایک الگ ریاست پاکستان کے حصول کے لئے کی گئی اس میں بھی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور دوسرے علمائے کرام حضرات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

لیکن ستم یہ ہے کہ تاریخ بھی دو نمبری کی بتائی جارہی ہے۔ آزادی اور پاکستان کو سات سالہ کوششوں کا نتیجہ قرار دے کر ان ہزاروں مجاہدین آزادی ان نفوس قدسیہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریز نے جاتے جاتے اپنے پیچھے ایک ایسا طبقہ چھوڑ دیا جو تاریخ بھی ان کی مرضی کے مطابق لکھنے کا پابند ہے۔ ہمارے سرکاری اداروں میں جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے وہ حقائق پر مبنی نہیں ہے۔ وطن عزیز کے وسائل پر قابض جاگیردار سرمایہ دار طبقے نے انگریزی دور میں ان کے جوتے پالش کر کے ان کے گھوڑوں کو خرخرے کر کر جو مراعات حاصل کی ہیں اب وہ اپنے ان جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے تاریخ کو بدلنے پر تلے ہوئے ہیں تاکہ انگریز کی نمک خوری کا کچھ حق ادا کیا جاسکے۔

ہم اس موقع پر جنگ آزادی کے ان تمام مجاہدین اور شہداء کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے عہد کرتے ہیں کہ نظام فرنگی کے خاتمے اور اہل وطن کو حقیقی آزادی سے روشناس کرنے تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

☆☆..........☆☆

تحریر: مولانا محمد علی صدیقی

شاعر ختم نبوت سیّد محمد امین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ ماہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی حضرات میں سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تربیت یافتہ مولانا محمد علی جالندھریؒ کی فکر کے امین شاعر ختم نبوت سید محمد امین گیلانی صاحب انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جناب گیلانی صاحب کا تعلق قافلہ حریت سے تھا ساری زندگی اسلام کی خدمت میں گزار دی۔ گیلانی صاحب صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ اس دور کے مستجاب الدعوات لوگوں میں سے تھے اور خودداری ان کا وصف تھا اور تقسیم ملک سے قبل اور پاکستان میں ان کی زندگی میں بہت کڑا وقت آیا لیکن ہنسی خوشی سے گزار دیا تہجد میں بارگاہ الٰہی میں تو ہاتھ دراز کر دے لیکن دنیا کے سامنے سوالی نہ بنے۔ دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور کے مہتمم مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد سلیم صاحب نے دوران سفر واقعہ سنایا' غالباً لاہور میں اس دور کے حکمران جناب محمد ایوب خان کا جلسہ تھا تو جلسہ کی انتظامیہ نے گیلانی صاحب کو نظم کے لئے مدعو کیا' ان کے انکار پر اصرار غالب رہا تو فرمایا کہ اچھا مجھے پہلے نہ بلائیں' مجھے وقت پر اطلاع دیں' عین وقت پر اطلاع دی گیلانی صاحب اسٹیج پر تشریف جناب صدر محمد ایوب خان بھی آ چکے تھے' سیدھے گیلانی مائک پر آئے اور اس وقت کے حالات پر مہنگائی' غربت' حکومت کی اسلام دشمنی پر بغیر کسی خوف کے نظم پڑھی اور سیدھے اسٹیج سے اتر کر باہر آ گئے' جناب صدر پاکستان محمد ایوب خان سے نہ جاتے وقت مرعوب ہوئے نہ آتے ہوئے' کچھ دن بعد ضلع شیخوپورہ کے ایس پی صاحب جناب گیلانی صاحب کو ملنے آئے اور کہنے لگے: مجھے جناب صدر محمد ایوب خان نے حکم فرمایا ہے کہ میں آپ سے ملوں اور صدر صاحب فرما رہے ہیں کہ میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں آپ کی جو ضروریات ہوں وہ بتلائیں۔ شیخوپورہ میں سرکاری زمین سے پانچ مربع زمین آپ کے نام کرنے کا حکم ہے۔ جناب گیلانی صاحب نے یہ تمام پیشکش ٹھکرا کر قافلہ ختم نبوت کے حضرات کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ جناب گیلانی صاحب نے ساری عمر انگریز اور انگریزی نظام اور انگریز کے خود کاشتہ پودے کے خلاف تحریک میں گزار دی' پاکستان بننے سے قبل مجلس احرار اسلام اور جمعیت علماء ہند کے اکابر کے ساتھ رہے اور بعدازاں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور جمعیت علماء اسلام میں ساری زندگی گزار دی۔ عقیدۂ ختم نبوت اور قادیانیت کی تردید میں اشعار کی شکل میں وہ کام کیا جس کی مثال بیان سے باہر ہے۔ ختم نبوت کانفرنس جو دسمبر کے آخری دنوں میں قادیانیوں کی سالانہ جلسہ کے جواب میں تین دن ہوتی' جناب گیلانی صاحب ہر ہر نشست کے روح رواں ہوتے اور جیسے ہی جناب محمد سلیمان گیلانی نے اس زندگی میں قدم رکھا تو فوراً ان کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور جمعیت علماء اسلام کے بزرگوں سے جوڑ دیا۔ چناب نگر کھلا شہر قرار پایا' ختم نبوت جماعت کی طرف سے مسلم کالونی میں مسجد و مدرسہ قائم ہوا۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۸۲ء کو پہلی ختم نبوت کانفرنس رکھی گئی تو شیخوپورہ سے ایک بہت بڑے قافلہ کی قیادت کرتے ہوئے گیلانی صاحب تشریف لائے۔ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ گیلانی صاحب مسجد' مدرسہ' جلسہ گاہ اور کبھی فضا کو بڑے غور سے دیکھ رہے ہیں' جب معلوم کیا کہ گیلانی صاحب کیا تلاش کر رہے ہیں؟ تو پرنم آنکھوں سے فرمانے لگے: سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولانا محمد علی جالندھری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہم اللہ کی ارواح دیکھ رہا ہوں۔ قارئین کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ گیلانی صاحب کے درجات بلند کرے' یہ گیلانی صاحب کے انتقال کا صدمہ صرف سید سلمان گیلانی اور رشتہ داروں کا نہیں بلکہ ہم سب کا ہے:

شامیں اداس اداس' آنکھیں بجھی بجھی
اک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ

مجیب اللہ ندوی

اسلام نے زندگی کے مختلف شعبوں کی سرگرمیوں کے سلسلہ میں مرد اور عورت کی فطری جبلت اور صلاحیت کو سامنے رکھ کر ہر صنف کے لئے کچھ خاص دائرہ اختیار اور حقوق و فرائض ضرور مقرر کردیے ہیں مگر عام انسانی حقوق و فرائض اور علمی و فکری ترقی اور اس کے مواقع سے فائدہ اٹھانے میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا' جس طرح اس کے مخاطب مرد ہیں' اسی طرح عورتیں بھی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "فتح الباری" میں لکھتے ہیں: "جو حکم مردوں کو دیا گیا ہے' وہی عورتوں کے لئے بھی ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ عام اسلامی احکام میں مردوں کے ضمن میں عورتیں داخل ہوتی ہیں الا یہ کہ کسی خاص دلیل سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم خاص کسی ایک صنف کے لئے ہے۔

ظاہر ہے کہ حیض و نفاس اور حمل و ولادت جیسے احکام کا تعلق مردوں سے نہیں ہوسکتا اور اہل و عیال کی معاشی اور دوسری اجتماعی ذمہ داری عورتوں پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ ان قرائن کی بنا پر یا کسی صراحت کی بنیاد پر کوئی حکم کسی صنف کے ساتھ مخصوص ہوگا' ورنہ جہاں کوئی قرینہ یا صراحت نہ ہو اس حکم کے دونوں مخاطب سمجھے جائیں گے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے پردہ کی وجہ سے عورتوں کو پیچھے ڈال دیا ہے وہ یا تو اسلامی تعلیمات سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں یا پھر مغربی تہذیب سے مرعوبیت یا اپنی اباحیت پسندی کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں' ورنہ پوری اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے کہ پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے عورتوں نے اپنے دائرہ کار میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں اور ان کی گود سے بڑی بڑی شخصیتیں ابھری ہیں' مثلاً وراثت کی تقسیم کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی شریعت نے لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کو آدھا حصہ دلوایا ہے' جس سے صنف نازک کی حق تلفی ہوتی ہے مگر ان کی نظروں سے یہ پہلو اوجھل رہ گیا کہ لڑکی کو لڑکے سے کم حصہ اس لئے نہیں دیا گیا ہے کہ وہ کوئی کمتر مخلوق ہے بلکہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے اوپر کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے' بلکہ معاش کی ساری ذمہ داری لڑکے پر ڈالی گئی ہے لڑکی کا سارا سرمایہ اپنی جگہ محفوظ رہتا ہے پھر وہ لڑکی کی حیثیت سے بھی اپنا حصہ پاتی ہے اور بیوی کی حیثیت سے بھی اپنا حصہ پاتی ہے۔

وراثت کی یہ تقسیم ذمہ داری کے لحاظ سے کی گئی ہے ایسا کسی تحقیر یا حق تلفی کی بنا پر نہیں کیا گیا ہے' اگر دونوں کو برابر حصہ دیا جاتا اور لڑکے پر معاشی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا جاتا تو البتہ یہ حق تلفی ہوتی۔

حالات کے بگاڑ اور معاشرتی خرابی کی بنا پر عہد صحابہ کرامؓ سے ہی پنج وقتہ نمازوں کے لئے مسجدوں میں آنے اور دوسری اجتماعی جگہوں پر جانے میں ان پر کچھ پابندیاں ضرور لگائی گئیں مگر جس طرح عہد نبوی میں ان کے لئے وعظ و نصیحت کی علیحدہ علیحدہ مجلسیں قائم کی جاتی تھیں اور پردہ کے ساتھ ان کی ساری علمی و عملی سرگرمیاں جاری تھیں وہ اس کے لئے سفر کرتی تھیں' جہاد میں شریک ہوتی تھیں' اور اس میں زخمیوں کی خدمت کرتی تھیں ان کو پانی پلاتی تھیں' مرہم پٹی کرتی تھیں' آخری صدیوں میں کچھ طبقات نے اپنے ایک مخصوص نظام معاشرت کے تحت ان کے سلسلہ میں کچھ تنگ نظری کا مظاہرہ ضرور کیا مگر مجموعی طور پر وہ ہر شعبہ زندگی میں اخلاقی حدود کے اندر برابر رواں دواں رہی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "انصار کی عورتیں بہترین ہیں کہ دین کی باتیں سیکھنے اور ان میں پوری سمجھ حاصل کرنے میں ان کو جھجک محسوس نہیں ہوتی۔"

گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں کو ترغیب دے رہی ہیں کہ حصول علم میں حیا و شرم حارج نہیں ہونی چاہئے بلکہ جس طرح عورتیں پردہ کی رعایت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرکے برابر علم میں اضافہ کرتی رہتی تھیں' ویسے ہی آج بھی ان کو کرنا چاہئے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاوے کو جمع کرلیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے گی۔

ایک بار عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مردوں کو تو آپ سے استفادہ کرنے کا بہت موقع ملتا ہے اور ہم عورتیں اس سے محروم رہ جاتی ہیں' تو آپ ایک دن صرف ہمارے لئے مقرر فرمادیں تاکہ ہم آپؐ سے براہ راست استفادہ کرسکیں؟ چنانچہ آپؐ نے ان کے لئے ایک خاص جگہ اور خاص دن مقرر فرمادیا اور آپؐ برابر وہاں تشریف لے جاتے اور ان کو وعظ و نصیحت فرماتے اور وہ آپ سے ہر طرح کے مسائل دریافت کرتیں۔ اسی طرح عید کے دن آپ عورتوں کے مجمع میں تشریف لے جاتے اور ان کو وعظ فرماتے۔ حدیث کی تمام کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "اس حدیث سے بے شمار مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں' ایک یہ کہ مستحب ہے کہ ان کو اچھی باتوں کی نصیحت کی جائے اور اسلامی احکام سکھائے جائیں اور ان کے اوپر اللہ کے بندوں کے کیا حقوق ہیں ان کی یاددہانی کرائی جائے ان کو راہ حق میں خرچ کرنے اور زکوۃ ادا کرنے پر ابھارا جائے اور ان باتوں کے لئے ان کے الگ اجتماع کئے جائیں مگر ان سب کے لئے شرط یہ ہے کہ جب اس سے معاشرہ میں کوئی فتنہ وفساد پیدا نہ ہو۔"

گویا عورتوں کی علمی و عملی سرگرمیوں میں دو باتیں ملحوظ رکھنی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے جسم کا پردہ اور ان کی فطری حیاء و شرم باقی رہے۔ دوسرے ان کی اجتماعی سرگرمیوں سے کوئی دینی' اخلاقی یا معاشرتی' برائیاں پیدا ہونے کا قوی اندیشہ نہ ہو' اسی آخری قید کی وجہ سے عہد صحابہ میں مختلف قوموں کے اختلاط اور خاص طور پر ایرانیوں کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد بہت سی معاشرتی خرابیاں پیدا ہونے لگیں اور شر وفساد کی مختلف صورتیں سامنے آنے لگیں تو عورتوں کے اجتماعی جگہوں پر جانے میں احتیاط برتی جانے لگی' جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں آج بھی مذکورہ بالا حدود کے اندر زندگی کی اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ان کو پوری اجازت ہے۔

عورتوں کے مسائل پر غور کرنے کے سلسلہ میں یہ بات بھی بار بار کہی جاتی ہے کہ اسلام نے عورتوں کو گھر کی چہار دیواری میں بند کردیا ہے جس سے وہ زندگی کی اجتماعی سرگرمیوں میں پورا حصہ نہیں لے پاتیں' جس سے مسلم معاشرہ کو نقصان پہنچتا ہے اور معاشرہ کا ایک عضو معطل ہوکر رہ جاتا ہے' بظاہر یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے اور مغرب نے اسے بہت ہوا دی ہے' جس سے مسلمانوں کا ایک پڑھا لکھا طبقہ اس سے متاثر ہوکر تمام دینی و اخلاقی قدروں کو پامال کرکے عورتوں کو بھی زندگی کی تمام اجتماعی سرگرمیوں میں سرپٹ دوڑا دینے کو ترقی سمجھنے لگا ہے۔

لیکن یہاں اصل سوال یہ قابل غور ہے کہ ایک اچھی اور باکردار نسل کیسے پیدا ہو؟ خاندانی نظام کو مضبوط کرکے یا اس کو کمزور اور منتشر کرکے؟ پہلا نقطۂ نظر اسلام نے دنیا کو دیا اور دوسرا نقطۂ نظر مغرب نے نشاۃ ثانیہ کے بعد دیا۔

خاندانی نظام کو مضبوط رکھنے کے ذریعہ ایک باکردار نسل پیدا کرنے میں سب سے بڑا رول عورت کا ہوتا ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جب عورت اس کام کے لئے اپنے وقت کا بڑا حصہ اس میں لگادے اور یہ گھر کے اندر رہ کر ہی ہوسکتا ہے' گھر کے باہر رہ کر نہیں ہوسکتا۔

اسی نقطۂ نظر کے مطابق دنیا میں صدیوں تک عمل ہوتا رہا اور اس کے ذریعہ ایسی باکردار نسل پیدا ہوتی رہی جس کے اندر محبت اور بھائی چارہ کی فضا دکھائی دیتی رہی اور اس کے ذریعہ پوری دنیا انسانیت کو مادی و اخلاقی فائدہ پہنچتا رہا اور اس ذمہ داری کے ساتھ عورت اخلاقی حدود کے اندر علمی و اجتماعی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی رہی اور اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ اسلام ان کی تعلیم و ترقی کی بھرپور تائید ہی نہیں کرتا بلکہ ترغیب دیتا ہے' بشرطیکہ خاندانی نظام درہم برہم نہ ہونے پائے اور ایک باکردار نسل پیدا کرنے کا کام اس سے متاثر نہ ہو۔

کتاب کے اندر ان کے علم و فضل اور اجتماعی سرگرمیوں کے بہت سے واقعات آئیں گے' یہاں ہم امام شافعیؒ کی والدہ کے علم و فضل کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ کی والدہ کو کسی معاملہ میں گواہی دینے کے لئے ایک مرد اور ایک عورت کے ساتھ قاضی کی عدالت میں جانا پڑا' قاضی نے دونوں عورتوں کی گواہی الگ الگ لینی چاہی تو امام کی والدہ نے گواہی دینے سے یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر اس لئے قرار دیا کہ: "ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخری" اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے۔ اور الگ الگ گواہی لینے میں یہ علت باقی نہیں رہے گی۔ قاضی نے مجبور ہوکر دونوں عورتوں کے بیانات ساتھ لئے۔ اس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ پردہ میں رہ کر بھی ان کی علمی و فکری سطح کتنی بلند تھی۔

دوسرا غیر فطری نقطۂ نظر مساوات مرد و زن کا مغرب نے دیا' جس نے خاندانی نظام کو درہم برہم کردیا اور عورت کو آزاد اجتماعی سرگرمیوں میں لاکر معاشرہ کو ہر طرح کے شر وفساد سے بھردیا ہے۔ آج جو اخلاقی حالت کی رپورٹیں مغربی ملکوں سے آتی رہتی

باقی صفحہ 27 پر

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی

تیسری قسط

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟

معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس زمانے میں اسلام لانا نہ جان بچانے کی وجہ سے تھا نہ طمع جاہ و مال کی وجہ سے' بلکہ اسلام لا کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا تھا۔ ان ہی خطرات اور مصائب کے مقابلہ کی وجہ سے مہاجرین فضیلت میں اول درجہ پر ہیں' انصار بھی اسی درجہ میں ہوتے' لیکن اس وجہ سے کہ انصار کو وہ تکالیف جھیلنی نہیں پڑیں جو مہاجرین کو پڑی تھیں' اس لئے دوسرے درجہ میں آ گئے' ورنہ اسلام لانے کی شان دونوں کی مساوی ہے' اور پھر اسلام کو حقیقی ترقی اور استحکام اسی وقت ہوا اور اس کے تمام آئندہ عروج کی بنیاد اسی وقت پڑی تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کے ذاتی محاسن' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسخیر اخلاق اور مسلمانوں کا طرز عمل اسلام کی اشاعت کے اصلی اسباب ہیں۔ ہجرت سے اسلام کی اصلی شوکت و عظمت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت میں اسلام کی ترقی کا زمانہ اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدا ہجرت سے کی گئی لیکن ہمارے سابق بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی اسلام اصولاً مستحکم و مضبوط ہو چکا تھا' مکہ معظمہ کے سب سے بڑے خاندانوں میں باوجود سخت سے سخت مزاحمتوں کے اسلام اپنا رنگ جما چکا تھا' یہاں تک کہ مکہ معظمہ سے متجاوز ہو کر حبشہ تک اور ادھر مدینہ منورہ تک اسلام کا اثر پہنچ گیا تھا۔ مدینہ منورہ کے قبیلۂ اوس و خزرج کے لوگ جو بعد میں انصار کے معزز اور قابل فخر خطاب سے ملقب ہوئے۔ اس وقت مسلمان ہوئے جب کہ اہل مدینہ کے نزدیک اسلام سے بڑھ کر کوئی جرم نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان کے ساتھ کسی کو تلقین نہ فرما سکتے تھے۔ اہل مدینہ نے عقبہ پر بیعت ضرور کی لیکن اس طرح اخفاء اور راز داری کے ساتھ کہ نہ اہل مکہ کو خبر ہوئی اور نہ ان کے رفقاء کو جو مدینہ سے بقصد حج ان کے ساتھ مکہ آئے تھے۔ (الا کامل فی التاریخ)

مدینہ منورہ کے دونوں قبیلے..... جو صدیوں سے باہم جنگ و جدل میں مبتلا تھے..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسلام کے احکام اور محاسن سن کر اس فریفتگی کے ساتھ مسلمان ہوئے کہ قبل از ہجرت ہی گویا عملاً تمام مدینہ مسلمان ہو چکا تھا۔

مدینہ منورہ کے چند ہی لوگوں نے جمال مبارک کی زیارت کی تھی اور ان میں بھی کسی کو آپ ﷺ کی خدمت میں رہنے اور فیض صحبت اٹھانے کی نوبت نہ آئی تھی' لیکن وہ کیسا قوی اور دیرپا اثر تھا کہ چند منٹ میں ایسے رنگے گئے کہ سارے مدینہ منورہ کو اسی رنگ میں رنگ دیا اور مدینہ منورہ کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا۔ (الکامل فی التاریخ) اور وہاں کے مرد و عورت' بچے' بوڑھے اسلام پر فریفتہ' محبت خدا اور رسول میں سرشار ہو گئے اور نہایت اشتیاق کے ساتھ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے دن گننے لگے۔

رسول خدا ﷺ کی ہجرت اور اہل مدینہ کی حالت:

اور جس وقت مدینہ منورہ میں یہ اطلاع پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے بقصد مدینہ منورہ روانہ ہو چکے ہیں تو مدینہ منورہ میں عجب طرح کی خوشی پھیلی ہوئی تھی' روز مرہ انصار مدینہ آپ ﷺ کے استقبال کے لئے "حرہ" تک نکلتے تھے اور جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تھی تو لوٹ آتے تھے' جس روز آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے اس روز بھی ایسا ہی ہوا کہ انصار صبح سے دوپہر تک منتظر بیٹھے رہے اور جب ٹھیک دوپہر ہو گئی تو واپس ہو گئے۔ سب سے اول ایک یہودی نے آپ ﷺ کو دیکھا اور انصار کو آواز بلند پکار کر اطلاع دی' انصار آواز سنتے ہی نکلے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کبھی کسی چیز سے اس قدر خوش نہ ہوئے جس قدر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوئے۔ (سیرت حلبیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں داخل ہوئے (اس روز) اس کی ہر چیز روشن ہو گئی' پردہ نشین عورتیں' کنواری لڑکیاں خوشی کی وجہ سے جمال مبارک کی زیارت کے لئے چھتوں پر چڑھ گئیں۔ (سیرت حلبیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے' عورتیں اور بچے یہ شعر پڑھتے تھے:

طلع البدر علینا
ثنیات الوداع

چودھویں رات کا چاندؐ
ثنیات وداع کی طرف سے ہم پر طلوع ہوا
وجب الشکر علینا
مادعاللہ داع
ہمارے اوپر شکر واجب ہے جب تک کوئی
پکارنے والا اللہ کو پکارے (قیامت تک)
ایھا المبعوث فینا
جئت بالامر المطاع
اے ہم میں سے بھیجے گئے نبی!
تم ایسے امر کو لیکر آئے ہو جس کی اطاعت واجب ہے
انصار کے قبیلہ بنی نجار کی چند لڑکیاں یہ شعر گاتی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمد من جار
ہم چند لڑکیاں ہیں بنی نجار کی
محمدؐ کیسے اچھے پڑوسی ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ میرے دل میں بھی تمہاری محبت ہے۔ (البدایہ والنہایہ) اہل مدینہ میں یہ جوش، یہ ولولہ، یہ محبت، یہ عقیدت، یہ فریفتگی، یہ شیفتگی، یہ جاں نثاری، یہ غم خواری کب اور کیونکر پیدا ہوئی؟ یہ باتیں اس وقت پیدا ہو چکی تھیں، جب کہ کسی پر جبر و اکراہ تو کیا مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو اپنی جان بچانی بھی بھاری ہو رہی تھی۔ اہل مدینہ کا مکہ معظمہ میں جانا اور مسلمان ہونا نہ کسی دباؤ کی وجہ سے ہوا اور نہ کسی دنیاوی غرض اور فائدے کے لئے، بلکہ اسلام قبول کر کے تمام دنیا کو اپنا مدمقابل و مخالف بنالیا اور اپنی جان و مال و عزت و آبرو کو خطرہ و بلا کی میں ڈالا۔

دوسری مرتبہ بیعت عقبہ کے لئے جب انصار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع ہوئے تو عباس بن نضلہ انصاری نے پختہ کرنے کی غرض سے انصار کو خطاب کر کے کہا کہ: اے جماعت انصار! دیکھو تو لوتم کس بات پر اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو؟ تم دنیا کی مخالفت اور اسود و احمر کے مقابلے کے لئے بیعت کرتے ہو، اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ جب تمہارے اشراف (معزز لوگ، سردار) قتل ہو جائیں، تمہارے مال ہلاک ہو جائیں تو تم ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کفار مکہ کے سپرد کر دو گے تو ابھی سے اس قصہ کو چھوڑ بیٹھو کیونکہ اس صورت میں دنیا و آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ پوری طرح وفاداری کرو گے تو اس میں شک نہیں کہ یہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ سب نے کہا: ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں کہ ہمارے اموال ہلاک ہو جائیں، ہمارے سردار قتل ہو جائیں مگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گے۔ (الکامل فی التاریخ)

مدینہ منورہ میں اسلام کا جمنا گویا پورے عالم میں اسلام کے پھیلنے کا پیش خیمہ تھا، جس کی بنیاد مکہ معظمہ میں عقبہ اولی و ثانیہ کی بیعت سے پڑی اور ہجرت سے اس کی عملی کارروائی شروع ہوئی، اس وقت اگرچہ کفار کی ایذا رسانی حد سے گزر جانے اور مسلمانوں کی مظلومیت ناقابل برداشت درجہ پر پہنچ جانے کی وجہ سے آپ ﷺ کو محاربات کی اجازت مل چکی تھی اور یہ آیت جس سے اجازت محاربات کی ابتدا ہوتی تھی، نازل ہو چکی تھی:

”اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا۔“ (سورۂ حج:۳۹)

لڑائی کی اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن سے کفار جنگ کرتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہیں، اور ہجرت کے بعد اہل اسلام اور کفار میں متعدد مقابلے بھی ہوئے، جن میں سے بہت سی جگہ آپ ﷺ کو بنفس نفیس تشریف لے جانا ہوا، مگر جن واقعات کو ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں ان سے بخوبی ثابت ہوگا کہ اسلام کی اشاعت کی چال (رفتار) اب بھی ویسی ہی تھی جو قبل از ہجرت نہایت مظلوی اور بے بسی کے زمانے میں تھی۔ اسلام جس قدر پھیلا اپنی خوبیوں، آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور برگزیدہ تعلیم کی وجہ سے پھیلا۔ جس نے اسلام قبول کیا بہ طلوع و رغبت (بخوشی) قبول کیا غالباً کوئی مخالف بھی کسی ایک تاریخی صحیح واقعہ کے حوالے سے ثابت نہ کر سکے گا کہ کسی ایک شخص کو بھی بزور مسلمان بنایا گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا مسلمان ہونا:

تاریخ شاہد ہے اور غالباً کسی کو بھی اس میں انکار نہ ہوگا کہ جس عداوت اور دشمنی کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہود کی طرف سے ہوا، مشرکین کے بعد کسی قوم کی طرف سے نہیں ہوا، کلام اللہ میں بھی صاف لفظوں میں یہ ارشاد ہے:

”بلاشبہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ دشمن تم یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔“ (سورۂ مائدہ:۸۲)

یہود کو یقینی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا علم تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے، قبیلہ اوس و خزرج کو اسی بنا پر دھمکایا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہونے والے ہیں، اس وقت ہم ان کے ساتھ ہو کر تم کو قتل کریں گے۔ (الکامل فی التاریخ)

مگر حب ریاست، نفسانیت و عناد ان کو ایمان لانے اور اتباع کرنے سے مانع آئے۔ یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جاہل سمجھانے کے بعد راہ راست پر آ جاتے ہیں، مگر جان بوجھ کر خلاف کرنے والوں سے کبھی توقع نہیں ہو سکتی۔

عبداللہ بن سلام بھی انہیں یہود مدینہ میں سے تھے اور تورات کے بڑے عالم تھے۔ عبداللہ بن سلام

اسی وقت مسلمان ہوگئے تھے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں فروکش ہوئے ہیں اور خاص مدینہ میں ابھی تک داخل بھی نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے خود اپنے اسلام لانے کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام وصفت سے واقف تھا اور اس زمانے کو بھی جانتا تھا جس میں آپ ﷺ کے ظہور کا انتظار کیا جاتا تھا' ایک شخص نے آپ ﷺ کے تشریف لانے کی خبر دی' میں نے سن کر درخت کے اوپر سے ہی مارے خوشی کے زور سے اللہ اکبر کہا' میری پھوپھی نیچے بیٹھی تھیں' انہوں نے کہا: خدا تجھ کو کھوئے' تو اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کی خبر بھی سنتا تو اس سے زیادہ اظہار مسرت نہ کرتا؟ میں نے کہا: اے پھوپھی! خدا کی قسم! یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور وہی طریقہ لائے ہیں۔ پھوپھی نے کہا: کیا یہ وہی نبی ہیں' جن کے مبعوث ہونے کی خبر ہم کو دی گئی تھی؟ انہوں نے سن کر کہا کہ تو خیر۔ عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔ سب گھر والوں کو اطلاع کی وہ بھی مسلمان ہوگئے' لیکن میں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہود بہتان لگانے والی قوم ہے' میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو کسی مکان میں بٹھلا کر...... قبل اس کے کہ میرے اسلام لانے کا علم ان کو ہو...... یہود سے میرا حال دریافت فرمالیجئے' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مجھ کو علیحدہ مکان میں بٹھلا کر ان سے دریافت فرمایا کہ حصین بن سلام (اصل نام حصین تھا' بعد میں عبداللہ ہوگیا) تم میں کیسا شخص ہے؟ سب نے کہا کہ ہمارے سردار کا بڑا بیٹا' بڑا عالم اور دانا ہے' جب وہ کہہ چکے تو میں نے باہر نکل کر کہا کہ اے جماعت یہود! تم جانتے ہو کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' تمہارے یہاں توریت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور صفت درج ہے' خدا سے ڈرو اور ایمان لے آؤ' میں تو شہادت دیتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔ یہود یہ سنتے ہی بدل گئے اور مجھ پر بہتان لگانے لگے اور میری عیب جوئی شروع کردی' میں نے کہا یارسول اللہ! میں اول ہی کہتا تھا کہ یہود جھوٹے اور کذاب ہیں' اس لئے میں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ میری پھوپھی بھی اچھی اور پکی مسلمان ہوگئیں۔'' (سیرت النبی لابن ہشام)

(جاری ہے)

بقیہ: خواتین کا حصہ

ہیں' اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عورت کو صرف جنسی آوارگی کا ایک آلہ بنالیا گیا ہے' شادی سے پہلے نہ جانے کتنی کنواریاں ماں بن رہی ہیں؟ وہ اور ان کے ذریعہ جو بے باپ نسل پیدا ہورہی ہے' وہ وہاں کی حکومتوں کے لئے مسئلہ بنی ہوئی ہے

یہ ایک مستقل موضوع ہے' جس پر متعدد کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔

عرب زمانہ جاہلیت میں اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے' اس تہذیب نو نے ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کو قتل کردینے کا مہذب ایک طریقہ نکال کر جاہلیت کو دوبارہ زندہ کردیا ہے۔ اسلام بہرحال ایسی بے کردار تہذیب کو پسند نہیں کرتا۔

پیش نظر مضمون ''خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ'' سے انشاء اللہ پہلے نقطہ نظر کی کسی حد تک ترجمانی ہوجائے گی' دوسرے شعبہائے زندگی میں ان کی زندگی میں ان کی خدمات بھی اگر اکٹھا کی جائیں تو ایک ضخیم مجموعہ تیار ہوسکتا ہے۔

یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ ان میں بہت سی خواتین اپنی بیوگی یا اور کسی مجبوری کی بنا پر دستکاری اور دوسرے گھریلو ذرائع سے اپنی معاش کا انتظام بھی کرلیا کرتی تھیں اور آج یہ ذرائع وسیع پیمانے پر اختیار کئے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ ہم ان کو گھر کی ملکہ بنا کر رکھنا پسند کریں بازار کی پری بنا کر ان کی نمائش نہ کرتے پھریں۔

اس ترقی یافتہ دور میں بھی دو چار مستثنیات کو چھوڑ کر عورتوں کے سپرد وہی کام موجودہ حکومتیں بھی کرتی ہیں جو ان کی فطرت اور گھریلو مزاج کے مطابق ہوتے ہیں اور جہاں وہ اس سے آگے قدم رکھتی ہیں فتنہ وفساد کے علاوہ معاشرہ کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

☆☆......☆☆

قادیانیت سے توبہ اور قبول اسلام

میں محمد مفیض الرحمٰن ولد محمد عبدالمالک (ساکن لکھی پورڈاکخانہ گولک پوت یونین تھانہ جمال گنج، ضلع سنام گنج بنگلہ دیش) بغیر کسی دباؤ' جبر اور لالچ کے قادیانیت سے توبہ کرتا ہوں اور اسلام قبول کرتا ہوں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد ظلی و بروزی اور کسی قسم کا نبی آنے کا کوئی امکان نہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین و مقلدین سب کے سب کافر مرتد اور زندیق ہیں۔ اللہ میری توبہ کو قبول فرمائے اور پچھلی زندگی کے تمام گناہ معاف فرمائے اور تمام قادیانیوں کو اسلام کی طرف رجوع کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

REGD. NO. SS-160

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے تعاون

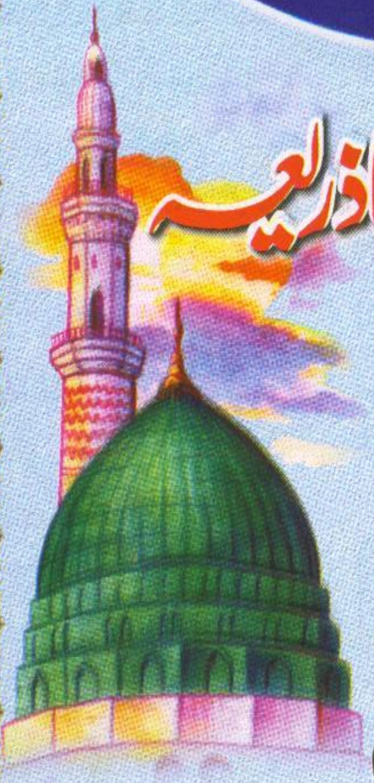

شفاعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ

- پوری دنیا میں قادیانیت کا تعاقب
- قادیانیوں کو دعوت اسلام
- سینکڑوں مبلغین کے ذریعہ قادیانی سرگرمیوں کا سد باب
- عدالتوں میں قادیانیت کے متعلق مقدمات کی پیروی
- سینکڑوں مساجد و مدارس کے ذریعہ مبلغین کی تیاری
- دفاتر ختم نبوت، دار التصنیف اور لائبریریوں کا قیام
- قادیانیت سے تائب ہونے والے مسلمانوں کی نگہداشت
- ہفت روزہ ختم نبوت کے ذریعہ قادیانیت کا قلمی پوسٹ مارٹم

ان تمام صدقات جاریہ میں شرکت کے لئے
زکوٰۃ، صدقات، خیرات، فطرہ، عطیات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو عنایت فرمائیں

ترسیل زر کا پتہ

دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

فون: 514122-583486 فیکس: 542277
اکاؤنٹ نمبر: 3464 یو بی ایل حرم گیٹ برانچ، ملتان۔

جامع مسجد باب الرحمت، پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی

فون: 7780337 فیکس: 7780340
اکاؤنٹ نمبر: 8-363 اور 2-927 الائیڈ بینک، بنوری ٹاؤن برانچ

نوٹ، رقوم دیتے وقت مد کی صراحت ضروری ہے تاکہ شرعی طریقے سے مصرف میں لایا جاسکے

نوٹ، مجلس کے مرکزی دفاتر میں رقوم جمع کرا کے مرکزی رسید حاصل کر سکتے ہیں

اپیل کنندگان:

(مولانا) خواجہ خان محمد — امیر مرکزیہ
سید نفیس الحسینی — نائب امیر مرکزیہ
(مولانا) عزیز الرحمن — ناظم اعلیٰ